اسلامی حقوق بشر کی سیریز (۳)

اسلام اور پرائیویسی کا حق

تالیف

ڈاکٹر عباس خواجہ پیری

ترجمہ

سید گلشن عباس نقوی

بسم الله الرحمن الرحیم

مشخصات

کتاب کانام	اسلام اور پرائیویسی کا حق
تحریر	ڈاکٹر عباس خواجہ پیری
ترجمہ	سید گلشن عباس نقوی
نظر ثانی	سید حسین اختر رضوی اعظمی
کمپوزنگ	الغدیر فاؤنڈیشن ہندوستان
ناشر	ادارۂ تحریک ترجمہ
تعداد	دو ہزار
تاریخ اشاعت	
شابک	

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خیابان سمیہ بین شہید مفتح و شہید موسوی پلاک ۱۷۳

تہران، ایران فون ۸۸۸۳۱۴۱۰

www.trans-move.com

فہرست

گفتار مؤلف ۱۱

مقدمہ ۱۵

پرائیویسی کے حق کی اہمیت.................................. ۲۰

حریم خصوصی (پرائیویسی) کے معنی ۲۵

نجی حریم یا پرائیویسی اور عمومی حریم کی حد فاصل.............. ۳۱

نجی زندگی کے احترام کی ضرورت.............................. ۳۶

پرائیویسی کے حدود.. ۴۰

پرائیویسی کے مصادیق.. ۴۶

۱۔ جسمانی حریم ۴۶

۲۔ فکری اور نفسیاتی حریم ۴۷

۳۔ جسمانی خلوت کا حریم ۴۸

۴۔ کمیونی کیشن کا حریم.............................. ۴۹

۵۔ اطلاعات کا حریم ۵۰

۶۔ شخصیت کا حریم.................................. ۵۲

۷۔ اقتصادی اور مذہبی حریم.......................... ۵۲

۸۔ گھرانے اور ازدواجی زندگی کا حریم ۵۴

۹۔ حیثیت اور شرافت کا حریم......................... ۵۶

۱۰۔ اقتصادی اور پیشے کا حریم ۵۸

اسلام کے نزدیک پرائیویسی کی اہمیت ۶۱

اسلام میں پرائیویسی کے حق کے اصول و مبانی ۶۴

۱۔انسان کی کرامت کا اصول ۶۵

۲۔انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے کا سرپرست نہ ہونے کا اصول۶۷

۳۔دوسروں کے نجی امور میں مداخلت نہ کرنے کا اصول . ۷۱

۴۔ مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو کی حرمت کا اصول .. ۷۳

۵۔افراد کے امور کے ذاتی ہونے کا اصول............ ۷۵

۶۔اپنےامور پر انسان کے تسلط کا اصول.............. ۷۶

۷۔عقل اور ضمیر کا حکم ۷۸

اسلام میں پرائیویسی کے حدود................................۷۹

۱۔ تجسّس اور تحسس کی ممانعت ۸۱

۲۔ اجازت کے بغیر دوسروں کی خلوت گاہ میں داخل ہونے کی ممانعت ۸۸

۱۔استیناس ۸۹

۲۔استیذان ۹۰

۳۔ گھر والوں کو سلام کہنا......................... ۹۳

۴۔ معمول کے راستے سے داخل ہونا ۹۴

۳۔ ہتک ستر اور برائی کی ترویج کی ممانعت ۹۶

۴۔ عیب جوئی کی ممانعت............................ ۱۰۱

۵۔بدگمانی کی ممانعت ۱۱۱

۱۔اپنے بارے میں بدگمانی ۱۱۵

۲۔دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھنا ۱۱۶

۳۔دوسروں کے بارے میں بدگمانی سے بے اعتنائی .۱۱۷

۴۔بدگمانی کے مصادیق کے بارے میں غور و فکر کرنا۱۱۷

۵۔دوسروں کے بارے میں بدگمانی رکھنے کی بیماری میں مبتلاء افراد کے ساتھ میل جول سے اجتناب کرنا ۱۱۷

۶۔اسلامی احکامات میں موجود اصالت الصحۃ اور اصالت سوق المسلمین جیسے اصولوں پر توجہ دینا ۱۱۸

۷۔ادراک کرنے والے اپنے اعضاء پر تسلط........ ۱۱۸

۸۔بدگمانی کا راستہ ہموار نہ کرنا................... ۱۱۹

۶۔غیبت کی ممانعت................................ ۱۲۰

۷۔ ہتک عزت کی ممانعت ۱۲۸

۸۔ چغل خوری کی ممانعت.......................... ۱۳۵

۹۔استراق سمع کی ممانعت ۱۴۰

۱۰۔ استراق بصر کی ممانعت ۱۴۳

۱۱۔برا بھلا کہنے اور گالیاں بکنے کی ممانعت ۱۴۷

اسلام میں گھرانے کی پرائیویسی.............................. ۱۵۰

پرائیویسی کی حفاظت کے سلسلے میں اسلامی حکومت کی ذمہ داری .۱۶۰

نجی امور میں جائز مداخلت ۱۶۵

۱۔مفاد عامہ اور اجتماعی حقوق کے ساتھ ٹکراؤ ۱۶۶

۲۔دوسروں کے حقوق کے ساتھ ٹکراؤ................. ۱۶۷

۳۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۱۶۸

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول اور پرائیویسی کا حق ... ۱۷۳

پرائیویسی کے حق کے بارے میں اسلام اور یورپ کے زاویۂ ہائے نگاہ کا فرق ۱۷۸
عصر حاضر میں پرائیویسی کو لاحق خطرات ۱۸۳
منابع ومأخذ ۱۸۹

گفتار مؤلف

ماسکو میں اسلامی جمہوریہ ایران کے ثقافتی اتاشی کی دعوت پر گزشتہ سال دسمبر کے مہینے میں بعثت فاؤنڈیشن کے محترم حکام کے ساتھ روس کا سفر کرنے، اس سرزمین پر ثقافتی سرگرمیوں کے فروغ کی راہوں کا قریب سے جائزہ لینے اور موجود وسائل کی بنیاد پر لازم و ضروری قابل عمل پروگرام تدوین کرنے کی توفیق اور سعادت حاصل ہوئی۔

اس سفر کے دوران روس اور تاتارستان کی مختلف دینی اور ثقافتی شخصیات کے ساتھ اہم اور مفید ملاقاتیں ہوئیں خاص طور پر ان دو ملکوں کے دینی امور کے اداروں کے حکام سے ہونے والی ملاقاتوں میں ہم نے دیکھا کہ وہ اسلامی کتب اور

متون حتی اسلامی اخلاق و معارف سے متعلق درسی کتب میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے اور ان کتابوں کے خواہاں ہیں۔

ان حکام کی جانب سے شدید دلچسپی کے اظہار اور رشین فیڈریشن خصوصاً شمالی قفقاز اور ولگا ساحل کی جمہوریاؤں میں مسلمانوں کی تقریباً دو کروڑ آبادی اور سابق سوویت یونین کی جمہوریاؤں میں روسی زبان سے آگاہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد نیز پبلک ٹرانسپورٹ میں ان ملکوں کے لوگوں کی مطالعہ کی بہت ہی اچھی عادت کی وجہ سے ادارہ تحریک ترجمہ نے (کہ جس نے تقریباً ایک سال سے اسلامی معارف و تعلیمات سے متعلق کتابوں کے ترجمہ اور انٹرنیٹ پر ان کی اشاعت کا کام شروع کیا ہے) روسی زبان جاننے والوں کو اپنا اصلی مخاطب قرار دیا ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔

بندہ حقیر نے بھی اسلامی انسانی حقوق کے میدان میں اپنے دس سال سے زائد عرصے کے مطالعہ کی بنیاد پر نسبتاً سادہ، عام فہم اور مختصر کتابیں تحریر کرنے اور انہیں روسی زبان میں ترجمہ اور شائع کرکے روسی زبان جاننے والے افراد کو اسلامی انسانی حقوق کے اعلیٰ اصولوں سے روشناس کرانے کا فیصلہ کیا۔

بعثت فاؤنڈیشن کے مینجنگ ڈائریکٹر کی ہدایت کے مطابق یہ طے پایا کہ اس کتاب کے روسی ترجمہ کے ساتھ ساتھ اصل فارسی کتاب بھی شائع کی جائے۔

میں اس توفیق کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں اور بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوں کہ یہ کام مسلسل جاری رہے۔

ڈاکٹر عباس خواجہ پیری
دی ماہ ۱۳۹۱ ہجری شمسی

مقدمہ

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ }[1]

انسانی حقوق کا موضوع فطری ہونے کی وجہ سے اس وقت سے زیر بحث رہا ہے جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے۔ جب سے انسان کرۂ ارض پر قیام پذیر ہے تب سے انسانی حقوق کے موضوع نے جنم لیا۔ اس کے بعد بنی نوع انسان اور انسانی معاشروں میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے اس موضوع

---

[1]۔ سورۂ حجرات آیت نمبر ۱۳

میں وسعت آتی رہی اور انسانی حقوق کا موضوع ہمیشہ حریت پسندی کی تحریکوں کا سرچشمہ قرار پایا اور انسان کی ابدی آرزو کے طور پر ہمیشہ باقی رہا۔

مؤرخین کو تحقیقات کے دوران ایسی دستاویزات ملی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے دوہزار سال سے بھی زیادہ پرانی ہیں اور ان میں انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کی تاکید کی گئی ہے۔

سنہ ۶۱۰ عیسوی میں دین اسلام کا ظہور بھی تاریخ انسانیت کا ایک سنہری ترین اور ہمیشہ باقی رہنے والا باب ہے جو اپنی تعلیمات خصوصا انسانی حقوق سے متعلق تعلیمات کے باعث بہت ہی کم عرصے میں دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں ظلم و ستم کے شکار لوگوں میں مقبول ہوا اور بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے۔

مشہور مفکر اور محقق ابو الاعلی مودودی کے بقول یورپ والوں کی عادت سی بن چکی ہے کہ وہ ہر اچھی بات کو اپنے آپ سے منسوب کر لیتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انسانیت نے جس نعمت

تک بھی رسائی حاصل کی ہے اس کا سرچشمہ وہی ہے۔ برطانیہ کا منشور میگنا کارٹا (Magna Carta) انسانی حقوق کی پہلی یورپی دستاویز کے طور پر سنہ ۱۲۱۵ عیسوی میں اس وقت کے بادشاہ جان کے توسط سے جاری کیا گیا حالانکہ یہ دستاویز ظہور اسلام کے چھ سو سال سے زیادہ عرصے کے بعد جاری کی گئی۔ یہ دستاویز اور اس کے بعد کی دستاویزات انسانی حقوق کے قافلے سے یورپ کے پیچھے رہ جانے، انسانی قدر و منزلت پر ان کی عدم توجہی اور کئی صدیوں تک انسانیت پر روا رکھے جانے والے مظالم کا ان کی جانب سے دیر سے مقابلہ کئے جانے کی ایک مضبوط دلیل شمار ہوتی ہے۔

اسلامی تعلیمات میں انسانی حقوق کے موضوع کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے انسانی حقوق کا جو نظام پیش کیا ہے وہ انسانی حقوق کے اس نظام سے زیادہ جامع اور کامل ہے جس کا دعوی یورپ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اور اس کی مادی و معنوی خصوصیات سے متعلق یورپ اور اسلام کے لیگل سسٹمز میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

اسلامی شریعت میں فضیلت کے معیاروں، انسان کی معنویت اور انسانیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے جب کہ انسان سے متعلق یورپ کا زاویۂ نگاہ معنوی اور اخلاقی امور پر مبنی نہیں ہے۔

دوسری جانب اخلاق اور مذہب چونکہ انسانی حقوق پر عملدرآمد کی بہترین ضمانت ثابت ہو سکتے ہیں اس لئے ہر معاشرے میں اخلاقی اور مذہبی اقدار کی تقویت انسانی حقوق کی حمایت کا دائرہ وسیع ہونے کا سبب بنتی ہے جب کہ اخلاقی انحطاط اور مذہبی اقدار سے بے اعتنائی انسانی حقوق پر بلاواسطہ طور پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے نتیجتاً انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ بنابریں اگر کسی معاشرے میں لازم الاجراء قوانین کے لئے عظیم معنوی اور اعتقادی پشت پناہی موجود نہ ہو تو مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق اداروں کی جانب سے اور موجودہ بین الاقوامی دستاویزات میں مذہب اور دینی عقائد کی جانب توجہ نہ دیئے جانے کی وجہ سے عصر حاضر میں انسانی حقوق

کی حمایت کے سلسلے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں دنیا کے ہر خطے میں روزانہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے افسوسناک واقعات رونما ہو رہے ہیں۔

مقالات کے اس سلسلے میں ہم خالص اسلامی تعلیمات کو بطور اجمال پیش کر کے یورپ والوں کے بلند بانگ لیکن کھوکھلے دعوؤں کے مقابلے میں اسلام کی عظیم شریعت کی حقانیت بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ سب لوگ جان لیں کہ انسانیت کس حد تک اسلام اور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی مرہون منّت ہے۔

من اللہ التوفیق

پرائیویسی کے حق کی اہمیت

اگرچہ اہمیت کے اعتبار سے پرائیویسی کے حق کا مرحلہ زندگی کے حق کے بعد ہے لیکن چونکہ اس حق کا تعلق ہر انسان کے تشخص کے ساتھ ہے اور یہ حق ہر فرد کے تشخص کے مترادف سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ انسان کے بنیادی حقوق اور آزادیوں میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔اس حق سے محرومی یا اس حق کی پامالی ذاتی اور گھریلو زندگی اور اجتماعی تعلقات کی کشیدگی، کشمکشوں، تشدد نیز متعدد جسمانی اور روحانی نقصانات کا باعث ہوتی ہے، انسان کو فطری زندگی اور جس زندگی کا اسے حق حاصل ہوتا ہے اس سے محروم کردیتی ہے اور اس کے انفرادی اور اجتماعی امن و سکون کو تباہ و برباد کردیتی ہے مثلاً کسی شخص کی ذاتی زندگی میں مداخلت کرتے ہوئے اور اس کی پرائیویسی کے حق کو پامال کرتے ہوئے اس کی ازدواجی زندگی کے راز فاش کرنا اس کی ازدواجی زندگی پر تباہ کن اور ناقابل تلافی نقصانات کا باعث بن سکتا ہے، اس کی ازدواجی زندگی ختم بھی ہوسکتی ہے اور شوہر، بیوی اور بچوں حتی خاندان کے

دوسرے افراد کے لئے بھی شدید مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور ان کے لئے منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا سرمایہ اور پونجی اس کے مادّی سرمائے مثلاً اموال کی ملکیت اور مادّی حقوق تک محدود نہیں ہے بلکہ انسان ایسے معنوی سرمائے اور غیر مادّی حقوق سے بھی بہرہ مند ہے کہ جو اس کے مادّی سرمائے کی نسبت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ انسان کے اہم ترین معنوی سرمائے ذمہ داریوں سے جڑی ہوئی جائز آزادیوں، انفرادی امن و سلامتی نیز گفتگو، خط و کتابت اور مراسلات کے سلسلے میں دوسروں کی ناجائز مداخلت سے تحفظ، اظہار رائے اور عقائد کی آزادی اور جان، مال، عزت وآبرو، حیثیت اور شخصیت کے تحفظ جیسے حقوق سے عبارت ہے۔

بلاشبہ پرائیویسی کا حق انسان کے معنوی حقوق کا اہم ترین مصداق جانا جاتا ہے اور اس کا خیال رکھنا انسان کے ذاتی تشخص اور اس کے عظیم انسانی مقام کی پاسداری کے مترادف ہے۔

عصر حاضر میں خاص طور پر انفارمیشن اینڈ کمیونیکیشن ٹیکنالوجی میں ہونے والی پیشرفت اور افراد کی ذاتی زندگی میں غیر قانونی مداخلت آسان ہو جانے کی وجہ سے انسانی حقوق سے متعلق گفتگو میں پرائیویسی کے حق کو مرکزی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ دوسری آزادیوں اور حقوق میں پرائیویسی کے حق کو مرکزی حیثیت اس لئے حاصل ہوئی ہے کہ اس حق تک رسائی انسانی عظمت و شرافت کے تحفظ، انفرادی خود مختاری، معاشرے کے تمام افراد کے پائیدار اور خلوص پر مبنی تعلقات کی برقراری اور ان تعلقات میں توسیع پائیدار نفسیاتی سلامتی انسانوں کے مابین پیش آنے والی کشیدگی اور تنازعات پر قابو پانے کا موجب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کسی فرد یا حکومت کی جانب سے کسی کی پرائیویسی میں دخل اندازی معاشرے میں تزلزل اور نفسیاتی الجھنوں کا سبب بنتی ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے نا قابل تلافی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگوں اور طاقت کے مراکز کے مقابلے میں افراد کی پرائیویسی کا تحفظ انسانوں کی صلاحیتوں کے

نکھار، ان کی بنیادی اقدار اور حقوق کی پاسداری اور انسانی عظمت و منزلت کے تحفظ کا باعث بنتا ہے۔

انسان جب اپنی نجی زندگی میں اپنے جان، مال، حیثیت و ناموس، شخصیت، رہنے کی جگہ اور اپنے کام وغیرہ کے سلسلے میں تحفظ کا احساس رکھتا ہے تو حقیقت میں وہ پورے طور پر زندگی کے حق سے ہمکنار ہونے کے احساس کا حامل ہوتا ہے لیکن جب کسی شخص کی ذاتی زندگی میں دوسرے افراد یا حکومت کی جانب سے بلاوجہ اور غیر قانونی طور پر مداخلت کی جاتی ہے تو در حقیقت اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور وہ زندگی کے بارے میں بدامنی اور تنزلزل محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض افراد نے کسی شخص کی ذاتی زندگی میں بے جا مداخلت کو اس کا حق حیات چھیننے اور اس کی انسانیت کی عمارت کے انہدام کے مترادف قرار دیا ہے۔

بنابریں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کا تشخص ہی اس کی پرائیویسی کے حق کی بنیاد ہے اور انسان کی زندگی اور اس کی شخصیت کے ڈھانچے کے ساتھ اس کا قریبی تعلق ہوتا ہے۔

اگرچہ پرائیویسی یا ذاتی زندگی میں عدم مداخلت معاشرے کے ہر ایک فرد کا حق ہے اور کسی بھی شخص کو بلاوجہ اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس حق کے سلسلے میں کوئی پابندی عائد کی جاسکتی ہے لیکن یہ بات بھی مد نظر رہنی چاہئے کہ خاص اجتماعی مقام کے حامل بعض افراد اور علمی، ثقافتی، دینی اور سیاسی شخصیات کو حاصل پرائیویسی کا حق نسبتاً زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور ان کی ذاتی زندگی میں مداخلت معاشرے اور خود ان کے لئے زیادہ منفی نتائج کا سبب بنتی ہے۔

حریم خصوصی[1] (پرائیویسی) کے معنی

"حریم خصوصی" دو لفظوں "حریم" اور "خصوصی" کا مجموعہ ہے۔ "حریم" کے معنی ممنوع ہونے اور احاطے کے ہیں جب کہ "خصوصی" کے معنی ذاتی ہونے کے ہیں۔ بنابریں "حریم خصوصی" سے مراد ایک ایسی جگہ، احاطے یا چار دیواری کے ہیں کہ جو کسی شخص کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ سے دوسروں کی مداخلت کے بغیر اسے آزادانہ طور پر فیصلے کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ دوسرے لوگوں کو اس شخص کے امور میں

---

[1]- زیر نظر کتاب فارسی سے اردو میں ترجمہ کی گئ ہے۔ فارسی میں کتاب کا نام "اسلام و حق حریم خصوصی" ہے۔ اردو میں ہم نے اس کا نام "اسلام اور پرائیویسی کا حق" رکھا ہے۔ فارسی میں پرائیویسی کے لئے چونکہ حریم خصوصی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس لئے ہم نے اکثر مقامات پر "حریم خصوصی" کے معنی پرائیویسی کے کۓ ہیں۔ اس مقام پر مصنف نے "حریم خصوصی" کے لفظ کی وضاحت کی ہے۔ اس لئے ہم نے اس بحث کا ترجمہ کر دیا ہے۔ البتہ عام طور پر "حریم خصوصی" کے لئے اردو میں انگریزی کا لفظ پرائیویسی ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ اردو میں حریم کا لفظ بھی مستعمل ہے اور اردو میں اس کے معنی گھر کی چار دیواری، احاطہ، مکان اور گھر وغیرہ کے ہیں۔ اسی کے پیش نظر ہم نے بعض مقامات پر حریم کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ مترجم

مداخلت کا حق نہیں ہوتا ہے۔ اس چار دیواری کا مالک اپنی ذاتی زندگی اور امور میں دوسروں کی جانب سے جسمانی مداخلت اور اپنی ذاتی معلومات کے منظر عام پر لائے جانے پر مبنی ہر طرح کی مداخلت سے محفوظ رہنے اور اپنی ذاتی زندگی میں دوسروں کی بلااجازت مداخلت کا مقابلہ کرنے کے حق کا حامل ہوتا ہے۔

"حریم خصوصی" (یعنی پرائیویسی) کے مذکورہ بالا مفہوم پر اتفاق رکھنے کے باوجود دانشور اب تک "حریم خصوصی" (پرائیویسی) کی سب کے لئے قابل قبول تعریف پیش نہیں کرسکے ہیں۔ البتہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حریم خصوصی (پرائیویسی) کے حق کا ثقافت اور ماحول سے بہت ہی گہرا تعلق ہوتا ہے۔ دانشوروں نے اس حق کا مفہوم بیان کرنے کے لئے اس کے مصادیق مثلا انفرادی خصوصیات، مذہبی وابستگی، سیاسی و سماجی نظریات، خاندانی اور انفرادی تعلقات کا ذکر کیا ہے یا پھر نجی امور کا دائرہ عمومی امور سے الگ کرکے پرائیویسی کے حدود معین کرنے کی کوشش کی ہے اور ان دونوں کی خصوصیات کو ان کی تعریف کی بنیاد قرار دیا ہے۔

بنابریں ذاتی اور نجی امور سے مراد بعض ایسے امور ہوتے ہیں جن کا تعلق کسی انسان کی اپنی زندگی اور تقدیر سے ہوتا ہےاور دوسروں کے لئے اس میں کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا ہے جب کہ عمومی حریم سے مراد عمومی نوعیت کے امور ایسے ہوتے ہیں جن کے فائدے اور نقصان میں دوسرے افراد بھی شریک ہوتے ہیں۔

پرائیویسی کے واضح مفہوم کے فقدان کو عصر حاضر کے لیگل سسٹمز کے لئے ایک بڑی مشکل جانا جاتا ہے۔ پرائیویسی کے حق کی ایک جامع تعریف پر اتفاق رائے نہ پائے جانے کی وجہ ایک جانب سے ان اسباب کا مختلف ہونا ہے جو انسان کی پرائیویسی کی حدود کے تعین میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں مثلا ثقافت، آداب و رسومات، اقتصادی اور سیاسی ڈھانچہ اور معاشرے کے عقائد اور رجحانات وغیرہ۔ یہ تمام امور مختلف معاشروں میں مختلف ہوتے ہیں۔ دوسری جانب انسان کی پیچیدہ شخصیت کے باعث اس کے انفرادی اور معاشرتی حالات اور اس کی صورتحال مختلف ہوتی ہے

اس لئے ان تمام امور کو ایک تعریف میں اکٹھا کرنا آسان اور ممکن نہیں ہے۔

پرائیویسی کے حق کی ایک جامع تعریف اس لئے ضروری ہے کہ ایسی تعریف ہی اس کی صحیح شناخت اور دوسروں کی ناجائز مداخلت اور ان کے حملے کے مقابلے میں اس کے دفاع کا امکان فراہم کرتی ہے۔

ہر انسان کی انفرادی زندگی کے ایک ایسے حصے کے طور پر کہ جس میں کسی کی بھی مداخلت قابل قبول نہیں ہے پرائیویسی کی تعریف کے لئے اس حق کے اجزائے ترکیبی کا مد نظر رکھا جانا ضروری ہے۔

یہ ارکان اور اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:

الف۔ خصوصی[1] ہونا

یہ جزو در حقیقت نجی امور کو عمومی نوعیت کے امور سے الگ کرتا ہے۔ جو چیز نجی امور میں قرار پاتی ہے اس کا تعلق کسی انسان کی اپنی تقدیر سے ہوتا ہے جب کہ عمومی نوعیت کے امور معاشرے

---

[1]۔ واضح رہے کہ "خصوصی" کے معنی اردو میں ذاتی اور نجی کے ہیں۔ یہاں خصوصی ہونے سے مراد ذاتی اور نجی ہونے کے ہیں۔ مترجم

کے تمام افراد کے مشترکہ ہوتے ہیں اور وہ کسی خاص فرد کے ساتھ مختص نہیں ہوتے ہیں۔

ب۔ محفوظ ہونا

انسان کے ذاتی امور کا دوسروں کے ہر طرح کے حملے کی زد سے محفوظ ہونا اس حق کا اصل رکن شمار ہوتا ہے۔ اس حق کے دائرے میں انسان یہ توقع رکھتا ہے کہ اس کے ذاتی امور تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوگی اور اس کی ذاتی اور نجی زندگی دوسروں کی دسترس سے باہر ہوگی۔ البتہ دوسرے افراد اس کی اجازت کے ساتھ اس کے ذاتی امور تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ انسان کی پرائیویسی اس بات کا امکان فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنے ذاتی اور نجی مسائل کو دوسروں کی دسترس سے محفوظ رکھے اور اپنی اطلاعات و معلومات اور اپنے رازوں کے فاش ہونے کی روک تھام کرے۔

ج۔ آزادی

اس اہم رکن کی بنیاد پر انسان دوسروں کے ہر طرح کے دباؤ اور ان کی بے جا مداخلت سے محفوظ رہتے ہوئے پوری آزادی اور خود

مختاری کے ساتھ اپنا طرز زندگی معین کر سکتا اور اپنی ذاتی زندگی کے امور فاش ہونے کے خوف اور تشویش کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ دوسروں کو کس حد تک اور کن حالات میں اس کے ذاتی امور سے آگاہ ہونے اور اس کی ذاتی زندگی میں دخل دینے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔

نجی زندگی میں انسان کی آزادی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ عقیدے اور عمل دونوں میدانوں میں پوری آزادی کے ساتھ سوچتا اور اپنے نظریات کے مطابق عمل کرتا ہے۔

نجی حریم یا پرائیویسی اور عمومی حریم کی حد فاصل

نجی زندگی کے امور کو عمومی نوعیت کے امور سے سو فیصد طور پر الگ کرنا آسان اور سہل کام نہیں ہے۔ خاص طور پر اس بات کے پیش نظر کہ ان دونوں کے حدود کے تعین میں ثقافت اور اعتقاد خصوصا دین جیسے امور بہت اہم اور کلیدی کردار کے حامل ہیں۔ اعتقادی اور دینی اصولوں پر مبنی نظاموں میں صرف ان معیارات کے پیش نظر ان دونوں کے فرق کو بیان کیاجاسکتا ہے جن کا سرچشمہ معاشرے کے دینی اعتقادات ہوتے ہیں۔

فرد کے انسانی تشخص کے بارے میں الٰہی اور ابراہیمی ادیان خصوصا اسلامی شریعت کا خاص زاویۂ نگاہ افراد کی پرائیویسی یا ان کی نجی زندگی کے حدود کے تعین اور عمومی نوعیت کے امور سے اس کے الگ رکھے جانے کا متقاضی ہے۔ ہم آئندہ اس کی تفصیلات بیان کریں گے۔

اب ہم افراد کی پرائیویسی یا ان کے عمومی نوعیت کے امور کے حدود کے تعین کے لئے ان میں سے ہر ایک کی بعض خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

الف۔ افراد کی پرائیویسی یا نجی حریم کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ انسان اپنی نجی زندگی تک دوسروں کی رسائی کو پسند نہیں کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی ذاتی زندگی دوسروں کی نظروں سے اوجھل رہے اوراس میں دوسروں کی کسی طرح کی مداخلت نہ ہو۔

۲۔ انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ذاتی امور کے بارے میں دوسروں کی سرپرستی اور ولایت کے بغیر آزادانہ طور پر فیصلے کرے۔ اس کی اپنی مرضی کے سوا کوئی بھی اس کے فیصلوں میں شریک نہ ہو۔

اسلام کے نزدیک انسان کی نجی زندگی کے دائرہ کار میں اس کے عمل اور کردار کی نوعیت کا تعین شریعت الٰہیہ کرتی ہے اور اسلامی حکومت اور مسلمان حکمران کو کسی کی ذاتی زندگی میں دخل دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔ جب تک کسی

انسان کے اعمال و کردار معاشرے کی سطح پر ظاہر نہ ہوں تب تک حکومت کو بھی اس کے حدود میں داخل ہونے کا حق حاصل نہیں ہے۔

عمومی حریم کی خصوصیات

۱۔ عمومی حریم میں انجام پانے والے امور انسانوں اور ایک معاشرے کے تمام افراد کے درمیان مشترک ہوتے ہیں۔ یہ امور ذاتی اور نجی نوعیت کے نہیں ہوتے ہیں۔ اگر یہ اعمال افراد کی نجی زندگی کے حدود میں انجام پائے ہوں تب بھی اپنے سماجی اثرات کی وجہ سے عمومی پہلو کے حامل ہوتے ہیں۔

۲۔ بناء پر پوشیدگی اور خفیہ رکھے جانے کے پہلو کے حامل نہیں ہوتے ہیں جب کہ اس کے برخلاف افراد کے نجی امور کی خصوصیت ان کے خفیہ رکھے جانے سے عبارت ہے۔

۳۔ عمومی حریم سے متعلق امور اسلامی حکومت کے دائرہ اختیار میں ہوتے ہیں اور حکومت امن عامہ، قومی وقار اور عوام کی امین ہونے کی حیثیت سے ان امور کی نگرانی، ان کے بارے میں اپنے رائے کے مطابق عمل کر سکتی اور ان کو اپنے کنٹرول میں لے سکتی ہے تاکہ مفاد عامہ کے منافی کوئی کام نہ کیا جائے۔

۴۔ عمومی حریم میں معلومات کی فراہمی کا اصول حکمفرما ہوتا ہے اور تمام افراد کو معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات سے آگاہ ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ بنابریں نجی زندگی کے برخلاف، کہ جس میں افراد کے رازوں کے منظر عام پر لائے جانے کی ممانعت ہے، عمومی حریم سے متعلق معلومات کو عام کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے بلکہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسی معلومات کو عام کرے اور معاشرے کا نظام چلانے کے لئے اجتماعی نگرانی کے اصول پر عمل کرے۔

نجی زندگی کے احترام کی ضرورت

مفکرین اور سوشل سائنسز کے ماہرین کا کہنا ہے کہ پرائیویسی انسان کی فطری ضرورت ہے اور یہ انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ انسان فطری طور پر ایک محفوظ چار دیواری قائم کرنے کے لئے اپنی پرائیویسی کے حدود کے تعیین کا خواہاں ہوتا ہے تاکہ جب بھی وہ خلوت میں رہنا چاہے تو کوئی دوسرا مخل نہ ہو۔ بنابریں انسان اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی پرائیویسی یا نجی امور کے قلمرو کا تعیین کرکے اپنے لئے ایک محفوظ مقام قرار دیتا اور اس میں سکون و چین محسوس کرتا ہے۔

بعض دانشوروں کا یہ کہنا ہے کہ پرائیویسی کے حق کی ضرورت انسانوں کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اسے انسانوں اور حیوانات کی ایک مشترکہ ضرورت سمجھا جاتا ہے۔ البتہ انسان کے شعور اور عقل کا درجہ چونکہ بلند تر ہوتا ہے اس لئے وہ اس حق کی ضرورت زیادہ محسوس کرتا ہے۔ جب سے انسانی زندگی کا آغاز ہوا ہے تب سے انسان پرائیویسی کے حق کی ضرورت محسوس کرتا رہا ہے۔

انسانی زندگی کی تاریخ کے مختلف ادوار پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ سماجی زندگی کے آغاز سے ہی انسان ہمیشہ اپنے لئے دوسروں کی رسائی سے باہر ایک محفوظ حریم بنانے کے لئے کوشاں رہا ہے ۔ یہ ضرورت اور احساس کسی خاص معاشرے یا کسی خاص زمانے تک محدود نہیں رہا ہے بلکہ انسان ہر دور کے معاشرے میں حتی ابتدائی معاشروں میں بھی، کہ جو جدید وسائل اور ترقی یافتہ ثقافت سے بہرہ مند نہیں تھے، قواعد اور نظاموں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے نجی امور تک دوسروں کی رسائی کو محدود کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

بقراط نے، کہ جس کا تعلق تین سو سال قبل مسیح سے ہے، قرار دیا تھا کہ طب کی تعلیم حاصل کرنے والے قسم کھائیں کہ وہ بیماروں کے راز فاش نہیں کریں گے۔

عصر حاضر میں بھی پرائیویسی کا حق ان انسانی آزادیوں اور حقوق میں شامل ہے جن کا مطالبہ سارے انسانی سماجوں میں کیا جاتا ہے۔ عصر جدید (modernity) کے آغاز اور اس کے

اثرات و نتائج ظاہر ہونے کے بعد پرائیوسی کے حق کا ماضی کی نسبت زیادہ مطالبہ کیا جانے لگا۔ ذرائع ابلاغ سمیت کمیونیکیشن کے ذرائع اور ان کے استعمال کے طریقوں میں آنے والی برق رفتار اور حیرت انگیز تبدیلی اور ان کے باہمی مقابلے اور زیادہ سے زیادہ ناظرین اور صارفین کی توجہ حاصل کرنے کے مقصد سے افراد خصوصا سیاسی اور سماجی شخصیات کی نجی زندگی سے متعلق امور کو منظر عام پر لایا جانا انسانوں کی پرائیویسی کے لئے ایک خطرہ سمجھا جاتا ہے۔

جدید ترین ٹیکنالوجی، الیکٹرانکس کے جدید آلات اور کمیونیکیشن کے جدید ترین وسائل تک معاشروں کی رسائی کی وجہ افراد کی پرائیویسی تک رسائی کا راستہ ہموار ہو گیا حتی جس کی پرائیویسی پامال کی جاتی ہے اسے پتہ بھی نہیں چل پاتا ہے کہ اس کی پرائیویسی کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

بنابریں کسی انسان کے لئے پرائیویسی کا حق تسلیم نہ کیا جانا اس کی انفرادیت کی پامالی کے مترادف ہے اور اس صورتحال میں انسان اپنے ضمیر اور افادیت کھو بیٹھتا ہے۔

ہر انسان خلوت میں دوسروں کی مداخلت، رجحانات اور تلقین سے متاثر ہوئے بغیر اپنی انفرادیت پر بھروسہ کرتے ہوئے سوچنے کا موقع پاتا ہے اور اپنی ذات سے روبرو ہوتا ہے۔ وہ اپنے اعمال و کردار کا جائزہ لیتا ہے اور اس طرح اپنے راستے کا تعین کرتا ہے۔ وہ ہر طرح کی خودنمائی اور دکھاوے سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی اصلاح اور تزکیہ کے راستے کا انتخاب اور مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ جب کہ پرائیویسی سے محروم اور ہمیشہ دوسرں کی نظروں کے سامنے رہنے والا انسان اپنی انفرادیت سے تہی داماں رہتا ہے اور اسے کبھی بھی اپنے انفرادی پہلو پر غور و فکر کرنے کا موقع ہاتھ نہیں آتا ہے۔

پرائیویسی کے حدود

جیساکہ اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے کہ زمین پر انسانی زندگی کے آغاز اور دوسروں کے ذریعے اس کی پرائیویسی کی پامالی کے خوف کے احساس کے ساتھ ہی انسان نے اپنی نجی زندگی کو پبلک لائف سے الگ کرنے اور ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کرنے کی کوشش شروع کردی تھی۔ اس نے اپنی نجی زندگی کے امور کے الگ ہونے کو ایک مسلّم اجتماعی اور ناقابل انکار اصول قرار دینے اور اپنی ذاتی زندگی کے امور کے حدود کو معین قواعد کے مطابق قرار دینے اور اس کے مصادیق معین کرنے کی تگ و دو کی۔

پرائیویسی کے حدود کا تعین اس لئے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ ایک جانب اس مسلّم اور گرانقدر حق کے ہمہ گیر دفاع کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور دوسری جانب انسان کو دوسروں کے انفرادی حقوق اور معاشرے کے حقوق کی پامالی سے، کہ جس کی وجہ افراد کی پرائیویسی کے حدود کا معین نہ ہونا ہے، روکتا ہے۔

واضح سی بات ہے کہ اگر انسانوں کی پرائیویسی کے حدود کو صحیح اور معقول معیاروں کے مطابق معین کیا جائے اور ہر شخص کے نجی امور کو مد نظر رکھنے کے علاوہ معاشرے کے دوسرے افراد کو حقوق کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو لوگوں اور حکومتوں کی جانب سے اسے پسند بھی کیا جائے گا اور افراد کی پرائیویسی کی پائیداری اور استحکام کا راستہ بھی ہموار ہوگا۔ وگرنہ دوسروں یا معاشرے کے مفادات کے ساتھ فرد کے مفادات کے ٹکراؤ کی وجہ سے پرائیویسی کی پامالی کا راستہ ہموار ہوگا اور اس مسلّم حق پر عملدرآمد، اس کی بقاء اور تقویت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی ہو جائیں گی۔

پرائیویسی کے حدود کے تعین کے لئے ضروری معیارات کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان معیارات کے تعین میں مؤثّر کردار کے حامل اہم عناصر کو پہچانا جائے۔ان میں سے بعض عناصر درج ذیل ہیں:

الف۔ معاشرے کے آداب و رسومات اور ثقافت:

کسی بھی معاشرے کی تہذیب و ثقافت افراد کی پرائیویسی کے معیارات کے تعین کے ساتھ بہت قریبی تعلق اور براہ راست اثر

رکھتی ہے۔ ثقافت اعتقادات، آداب، روایات، طرز زندگی اور کسی معاشرے میں انسانوں کے باہمی تعلقات پر محیط ہوتی ہے اور اس سے غفلت نہیں برتی جاسکتی۔

ثقافت اس حد تک مؤثّر ہوتی ہے کہ کسی معاشرے میں انسانوں کی ظاہری زندگی کا ڈھانچہ یا طرز تعمیر افراد کی پرائیویسی کے تعین اور اس کے حدود کی تعیین میں مؤثّر اور کارگر واقع ہوسکتا ہے۔ ثقافت کو مد نظر رکھنا درحقیقت کسی معاشرے میں موجود رکاوٹوں کو پیش نظر رکھنے کے مترادف ہے اور ممکن ہے کہ کسی دوسرے معاشرے میں ان کا کوئی مصداق موجود نہ ہو۔

ب۔ معاشرے کا اقتصادی ڈھانچہ:

پرائیویسی کے حدود کے معیاروں کی تعیین کے سلسلے میں معاشرے کے اقتصادی ڈھانچے کے مؤثّر ہونے کی وجہ معاشرے میں انفرادی اور سماجی تعلقات میں اقتصاد کا اثرانداز ہونا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی معاشرے کی معیشت کے ڈھانچے کی نوعیت افراد کے باہمی تعلقات اور حکومت کے ساتھ ان

افراد کے تعلقات کی برقراری کے سلسلے میں ناقابل انکار اور اہم کردار کی حامل ہے۔

یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کے حامل معاشروں اور اشتراکی اقتصادی نظام رکھنے والے معاشروں میں سماجی تعلقات ایک جیسے ہوں گے اور اکنامک سسٹمز کے کلوزڈ (closed) اور اوپن (open) ہونے کا ان تعلقات کی نوعیت پر اثر نہیں ہوگا۔

ج۔ معاشرے کا سیاسی ڈھانچہ

پرائیویسی کے حدود کی تعیین کے لئے مناسب معیار کے انتخاب کے سلسلے میں ایک مؤثّر ذریعہ معاشرے کے سیاسی اور حکومتی اداروں کے ڈھانچوں سے عبارت ہے۔ سیاسی ڈھانچے کی تشکیل کا انحصار کسی بھی معاشرے کی ثقافت، تاریخ اور لوگوں کی انفرادی و اجتماعی روایات، نظریات اور اعتقادات سمیت مختلف چیزوں پر ہوتا ہے۔ معاشرے کا سیاسی نظام ان امور کو مد نظر رکھے بغیر پائیدار نہیں ہو سکتا ہے۔

د۔ امن عامہ اور اجتماعی مفادات:

بلاشبہ افراد کی پرائیویسی کے حدود کا تعیین اس لئے بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ معاشرتی سلامتی اور امن عامہ نیز اجتماعی مفادات پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پرائیویسی کا دائرہ حد سے زیادہ بڑھانے سے اس حق سے غلط فائدہ اٹھائے جانے، دوسروں کے حقوق کی پامالی اور معاشرے کی سلامتی خطرے میں پڑنے کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ پرائیویسی کے حدود کو اس طرح معین کیا جائے کہ اس کے ناجائز استعمال اور معاشرتی نقصان خصوصا سماجی سلامتی خطرے میں پڑنے کا امکان ختم ہو جائے۔ فرد کی پرائیویسی کا حق چونکہ اجتماعی سلامتی سے ہمکنار ہونے پر مبنی معاشرے کے ہر ایک فرد کے حق کے ساتھ تضاد رکھتا ہے اس لئے معاشرتی مفادات کو ترجیح دیا جانا ضروری ہے۔

ھ۔ دوسرے حقوق اور بنیادی آزادیاں:

انسان کے لئے جو انفرادی اور اجتماعی آزادیاں مد نظر رکھی گئی اور جن کی شناخت کی گئی ہے وہ پرائیویسی کے حدود کی تعیین کے

سلسلے میں بہت زیادہ مؤثّر ہیں مثلا کسی معاشرے میں اظہار رائے کی آزادی کے شرائط اور اس کے حدود اس معاشرے کے افراد کی پرائیویسی کے حدود کی تعیین میں براہ راست اور خاص اثر کے حامل ہیں اور وہ پرائیویسی کا دائرہ تنگ یا وسیع ہونے کے سلسلے میں مؤثّر کردار ادا کرتے ہیں۔

معلومات تک رسائی اور ان سے استفادے پر مبنی معاشرے کے تمام افراد کا حق بھی واضح طور پر پرائیویسی پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ معلومات تک رسائی کے حق کا دائرہ زیادہ وسیع ہونے کی صورت میں افراد کی پرائیویسی کے حدود کم کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

پرائیویسی کے مصادیق

پرائیویسی کی واحد اور معین تعریف کی راہ میں حائل رکاوٹوں کی وجہ سے عموما اس حق کی تعریف کے بجائے اس کے مصادیق کو بیان کیا جاتا ہے۔

اگرچہ پرائیویسی کے مصادیق اور اس کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرنے سے انسان کے اس فطری حق کے حدود معین ہو جاتے ہیں لیکن جیسا کہ اس سے قبل بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ پرائیویسی کے معیارات کی تعیین میں مؤثر عوامل کی تاثیر کی مقدار کے سلسلے میں چونکہ اتفاق نہیں پایا جاتا ہے اس لئے اس حق کا سب کے لئے قابل قبول ایک مفہوم بھی بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پرائیویسی کے مصادیق درج ذیل ہیں:

ا۔ جسمانی حریم

انسان کے بدن کے کسی حصے کو نقصان پہنچانا مثلا ضرب لگانا، اس میں مہلک ریڈیو ایکٹیو شعاعیں داخل کرنا اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی جامہ تلاشی لینا وغیرہ اس کی جسمانی پرائیویسی کی

پامالی شمار ہوتی ہے اور اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جسمانی حریم کے دفاع کے لئے ان امور کا مقابلہ کرے جو اس کے جسمانی حریم کی پامالی کا سبب بنے ہیں۔

۲۔ فکری اور نفسیاتی حریم

نفسیاتی سلامتی سے بہرہ مند ہونا خصوصا اپنی نجی زندگی میں اس سلامتی سے بہرہ مند ہونا تمام انسانوں کا مسلّم حق ہے۔

اس حق کی بنیاد پر ہر ایسا عمل انجام دینا جو افراد کی نفسیاتی سلامتی کے سلب ہونے کا موجب بنتا ہو یا جس سے ان کی نفسیاتی سلامتی خطرے میں پڑتی ہو ان کے نفسیاتی سلامتی کے حریم پر حملہ شمار ہوتا ہے۔

انسان کی نفسیاتی سلامتی کے سلب کئے جانے کے متعدد علل و اسباب ہیں جن میں سے ناجائز نگرانی، تفتیش، تجسّس، ذاتی اسرار اور اطلاعات و معلومات کے فاش کئے جانے الغرض ایسے تمام امور، کہ جن کا برملا کیا جانا شخص کے ملول ہونے کا سبب بنتا ہو نیز افراد کی خفیہ طور پر نگرانی کئے جانے کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ جسمانی خلوت کا حریم

ہر شخص کا گھر اور جائے سکونت اس کا حریم شمار ہوتا ہے اور اس کی اجازت کے بغیر اس میں داخل ہونا یا کسی بھی ناجائز طریقے سے کوئی اقدام انجام دینا اس کی پرائیویسی کی خلاف ورزی سمجھی جاتی ہے۔ کسی بھی شخص سے مختص مکان کی کسی طرح کی تلاشی لینا بھی اسکی جسمانی خلوت پر حملہ جانا جاتا ہے۔

کسی کی رہائشگاہ اور تنہائی کے مقام کے علاوہ اس کے کام کاج کی جگہ بھی، بشر طیکہ وہ عمومی نہ ہو، اس کا ذاتی حریم شمار ہوتا ہے اور ہر طرح کی بلاواسطہ نگرانی یا سی سی ٹی وی کیمرے جیسی ٹیکنالوجی کے استعمال کے ذریعے اس کی خفیہ نگرانی کرنا اور اس کے کام یا رہائش کی جگہ کے سلسلے میں پابندی عائد کیا جانا اس حق کی پامالی کے مترادف ہے۔ غیر قانونی طور پر افراد کے نجی امور سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنا یا ان کی ذاتی چیزوں کی تلاشی لینا مثلاً پرس، بیگ، جیب، شخصی دستاویزات رکھنے کی جگہ، کمپیوٹر اور شخصی نوعیت

رکھنے والی دوسری چیزوں کی تلاشی لینا بھی افراد کی پرائیویسی کی پامالی کے زمرے میں آتا ہے۔

۴۔ کمیونی کیشن کا حریم

مکاتبات، مراسلات اور لینڈ لائن ٹیلی فون اور موبائل فون سے کی جانی والی گفتگو، ٹیلی گراف، ٹیلکس، فیکس اور ایمیل کے ذریعے بھیجے جانے والے پیغامات الغرض ہر طرح کے رابطے افراد کے ذاتی امور کے زمرے میں آتے ہیں اور ان کے بارے میں تجسّس کرنا، ان کو فاش کرنا، ان کی ریکارڈنگ یا ان کی ترسیل کی روک تھام، ٹیلی فون ٹیپنگ، سینسر نیز کمیونی کیشن کے مختلف ذرائع کا غلط استعمال افراد کی پرائیویسی کی خلاف ورزی شمار ہوتی ہے۔

اس بات پر توجہ رہنی چاہئے کہ جدید ترین ٹیکنالوجی تک انسان کی رسائی اور مواصلاتی ذرائع میں ہونے والی پیشرفت کی وجہ سے افراد کی کمیونی کیشن کے حریم میں مداخلت کا راستہ زیادہ ہموار اور آسان ہوا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ پرائیویسی کے حق کی

حفاظت کے لئے کمیونی کیشن کی ٹیکنالوجی میں ہونے والی پیشرفت کے ساتھ ساتھ اس حق کے حدود اور اس حق کی پامالی کے مصادیق کو از سر نو معین کیا جائے۔

۵۔ اطلاعات کا حریم

افراد کی ذاتی اطلاعات اور اسرار ان کی پرائیویسی کا ایک اہم حصہ ہے اور ان اطلاعات کا فاش کرنا، ان کو شائع کرنا یا منظر عام پر لانا ان کے نجی امور میں مداخلت شمار ہوتی ہے۔ چاہے ان اطلاعات کو شعوری طور پر اور عمداً منظر عام پر لایا گیا ہو یا غلطی سے ایسا کیا گیا ہو۔ جو اطلاعات اور معلومات افراد کے نجی امور کے زمرے میں آتی ہیں ان میں میڈیکل رپورٹیں، نجی مکاتبات اور مراسلات، گھریلو زندگی، عدالتی کیسز، افراد کے خلاف جاری ہونے والے عدالتی فیصلے، اقتصادی اور مالی امور، روزگار کے مسائل، افراد کے ذاتی واقعات حتی افراد کی غیر ظاہری عادات اور خصوصیات بھی شامل ہیں۔

اس اہم نکتے کی جانب توجہ دینا بھی اہمیت کا حامل ہے کہ صرف وہی اقدام افراد کی اطلاعات کے حریم کے منافی نہیں ہوتا ہے جو افراد کے بارے میں غلط اطلاعات اور جھوٹ کی اشاعت یا تہمت کی صورت میں ہو بلکہ حتی صحیح اطلاعات و معلومات کو منظر عام پر لانا بھی افراد کی پرائیویسی پر حملہ شمار ہوتا ہے۔ ان اطلاعات و معلومات کو فاش کرنا بھی، کہ جو کسی پیشے مثلاً علاج معالجے کے دوران ڈاکٹر اور بیمار یا وکیل اور مؤکل کے رابطے کے دوران افراد کو دی جاتی ہیں، اس کی پرائیویسی پر حملہ شمار ہوتا ہے جس سے ان اطلاعات و معلومات کا تعلق ہے کیونکہ جس کے پاس اب یہ معلومات بطور امانت ہیں وہ اپنے پیشے سے متعلق معلومات خفیہ رکھنے کے مسلّمہ اور عرفی قاعدے اور ضابطے کے تحت اپنی جانب رجوع کرنے والے افراد کی معلومات کی حفاظت اور ان کو خفیہ رکھنے کا پابند ہے۔

۶۔ شخصیت کا حریم

ہر انسان کی ایک شخصیت اور جداگانہ تشخص اور اس کے حقوق ہوتے ہیں۔ شخصیت کا حریم اس کے تشخص مثلا نام، القاب، خطابات، فوٹو اور اس کی اجتماعی حیثیت پر، کہ جس میں علمی، فنی، اقتصادی اور مذہبی حیثیت شامل ہے، مشتمل ہوتا ہے۔

کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی اجازت اور مرضی کے بغیر اس کے نام، حیثیت اور تشخص سے تشہیراتی، تجارتی یا کسی بھی اور مقصد کے لئے فائدہ اٹھائے۔ کسی شخص کے تشخص اور اس کی ساکھ و حیثیت سے فائدہ اٹھانا یا ان پر قبضہ جمالینا اس کی پرائیویسی پر حملے کے مترادف ہے اور غیر قانونی طور پر ایسا کرنے والے کو سول اور کریمنل لاء کے تحت سزا ہو سکتی ہے۔

۷۔ اقتصادی اور مذہبی حریم

عقیدے کی آزادی انسان کی پرائیویسی کا حصہ شمار ہوتی ہے۔ عقیدے کی آزادی کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد رہ کر عقیدے کے انتخاب کی آزادی حاصل ہونی چاہئے،

انسان کے عقائد کی ہر طرح کی تفتیش اور اس کے مذہبی تعلقات میں تجسّس، کہ جو دوسرے افراد یا حکومتی اہلکار کرتے ہیں یا حکومتی سسٹمز اور آرڈرز کے نام پر کیا جاتا ہے، غیر قانونی ہونے کے علاوہ افراد کی پرائیویسی پر حملہ سمجھا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقائد اور دینداری انسان کی شخصیت کا انتہائی باطنی پہلو ہوتا ہے اور انسان کا یہ حق ہمیشہ محفوظ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عقائد اور مذہب کو دوسروں سے مخفی رکھے اور اپنے نظریات تک دوسروں کی رسائی کے سدراہ ہو۔

البتہ اس بات کی جانب بھی توجہ رہنی چاہئے کہ اگر وہ شخص خود ہی اپنے نظریات اور عقائد کو بیان کردے تو پھر ان اطلاعات کو فاش سمجھا جائے گا اور یہ اطلاعات اس کے نجی امور کے زمرے سے خارج ہو جائیں گی۔ اس حق کی خصوصیت یہ ہے کہ کبھی بھی اس کی جائز خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کو محدود کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ گھرانے اور ازدواجی زندگی کا حریم

اس میں شک نہیں ہے کہ گھرانہ انسان کی پرائیویسی کا ایک اہم ترین حصہ ہے اور گھرانے میں کسی بھی طرح کی دخل اندازی افراد کی پرائیویسی پر حملہ شمار ہوتی ہے۔ ایسا کرنے والا شخص اپنے عمل کے سلسلے میں جوابدہ ہوتا ہے جب کہ جس کا حق پامال ہوا اسے دفاع اور مقابلے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

گھرانے کے امور میں جہاں دوسرے افراد کو اور حکومت کو دخل دینے کا حق حاصل نہیں ہے اور ہر خاندان اور گھرانے کی اطلاعات اور امور کا تعلق صرف اسی خاندان اور گھرانے کے افراد سے ہوتا ہے وہیں گھرانے کے افراد کا بھی اپنا اپنا حریم اور پرائیویسی ہوتی ہے اور گھرانے کے کسی بھی فرد کو دوسرے کے معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

ماں باپ کو گھرانے کے اصل ارکان کی حیثیت سے بعض حقوق حاصل ہیں اور ان کا اپنا ایک حریم ہوتا ہے جس کا دوسرے افراد خصوصا اولاد کو خیال رکھنا چاہئے۔ والدین کے سلسلے میں جن

امور کا خیال رکھا جانا چاہئے ان میں ان کی ازدواجی زندگی اور جنسی حریم شامل ہے جو ایک جوڑے کی حیثیت سے ان کے ساتھ مختص ہونے کا پہلو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس حریم میں مداخلت والدین کی ذاتی زندگی میں مداخلت سمجھی جاتی ہے۔ ماں باپ میں سے بھی ہر ایک کا اپنا الگ حریم اور نجی معاملات ہوتے ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی پرائیویسی کا خیال رکھنا اور اس کی پاسداری کرنی چاہئے۔ بنابریں شوہر کی اپنی ایک نجی زندگی ہے جسے اس کی بیوی کو محترم جاننا چاہئے اور بیوی کے بھی بعض اوقات ایسے کچھ خاص ذاتی نوعیت کے معاملات ہوتے ہیں جن کا اس کے شوہر کو احترام اور پاسداری کرنی چاہئے۔

گھرانے کے ارکان اور شادی کے ثمرات کے طور پر اولاد کے بھی بعض نجی نوعیت کے معاملات ہوتے ہیں۔ والدین اور گھرانے کے دوسرے افراد کی جانب سے ان کا خیال نہ رکھے جانے کی صورت میں بعض ایسی مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں جن کے نتیجے میں گھرانے کا استحکام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا

جاسکتا ہے کہ گھرانے میں آرام و سکون، سلامتی، آزادی اور خود مختاری کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ گھرانے کا ہر فرد دوسرے کے نجی امور کو تسلیم کرے اور ان کا خیال رکھے۔

واضح سی بات ہے کہ اولاد کے امور میں والدین کی جائز دخل اندازی کو، کہ جو اپنی اولاد کی تربیت اور اس کو گمراہی سے روکنے کے لئے ضروری ہوتی ہے، ان کے معمول کے فرائض جانا جاتا ہے اور یہ دخل اندازی معاشرے کے کلچر کے پیش نظر ایک معین حد کے اندر رہتے ہوئے اولاد کی پرائیویسی کی پامالی شمار نہیں ہوتی ہے۔

۹۔ حیثیت اور شرافت کا حریم

حیثیت، آبرو، ناموس، اعتبار، اجتماعی شہرت اور شرافت افراد کی پرائیویسی کے اہم حصے کو تشکیل دیتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے خلاف کیا جانے والا اقدام افراد کی پرائیویسی پر حملہ شمار ہوتا ہے۔

کسی فرد کا راز فاش کرنا، دوسروں کے کردار یا گفتار کی غلط تشریح کرنا، ان کے مکاتبات اور مراسلات سے ناجائز فائدہ اٹھانا

اور ان کی اطلاعات اور معلومات کو منظر عام پر لانا، کہ جس سے ان کی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہو یا ان کی شہرت پر زد پڑتی ہو، ان کی پرائیویسی کی پامالی کے واضح اور نمایاں مصادیق ہیں۔

پرائیویسی کی پامالی کے اطلاق کے لئے لازمی نہیں ہے کہ کسی شخص کے بارے میں منظر عام پر لائی جانے والی یا اس سے منسوب کی جانے والی اطلاعات اور معلومات جھوٹ پر مبنی ہوں یا ان کو منظر عام پر لانے والا جان بوجھ کر ان کو برملا کرنا چاہتا ہو بلکہ اگر ایسی اطلاعات اور معلومات کو جان بوجھ کر منظر عام پر نہ لایا گیا اور یہ اطلاعات و معلومات درست بھی ہوں لیکن برملا ہو چکی ہوں جب کہ جس شخص سے متعلق ہیں وہ دوسرے افراد کی ان تک رسائی پر راضی نہ ہو تو اس صورت میں بھی ان کے ذریعے اس شخص کی اجتماعی ساکھ اور حیثیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور لامحالہ اس کی پرائیویسی پامال ہوتی ہے۔

دوسروں کی حیثیت اور وقار کو ضرب لگانے کے مقصد سے انٹرنیٹ، سیٹیلائٹ، ایس ایم ایس اور دوسرے مواصلاتی ذرائع

سے ان کی فحش تصاویر اور تحریروں کو منظر عام پر لانا اور ان کے اخلاق باختہ نجی امور کو برملا کرنا معنوی حریم، اجتماعی ساکھ اور واضح حیثیت پر حملہ شمار ہوتا ہے۔

۱۰۔ اقتصادی اور پیشے کا حریم

لوگ عام پر اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کہ ان کی آمدنی کے ذرائع، مقدار اور آمدنی کی نوعیت الغرض ان کی ذاتی تجارتی معلومات تک دوسروں کی رسائی ہو یا دوسرے افراد ان کے بینک بیلنس، کریڈٹس، جو قرض انھوں نے دوسروں کو دیا ہے، یا جو قرض انہوں نے دوسروں سے لیا ہے یا حکومت وغیرہ کے ذمے ان کے جو پیسے باقی ہیں ان سے دوسرے افراد آگاہ ہوں۔ یہ اطلاعات و معلومات اور ان سے ملتی جلتی دوسری اطلاعات و معلومات مثلا ٹریڈ مارک اور شناخت درحقیقت افراد کی پرائیویسی کے زمرے میں آتی ہے لہٰذا ان کے خلاف کوئی اقدام انجام دینا اس فرد کی پرائیویسی پر حملے کے مترادف ہے جس کے ساتھ ان اطلاعات و معلومات کا تعلق ہے۔

البتہ حکومت کے اہل افراد کو لوگوں کی اقتصادی اور پیشے سے متعلق اطلاعات حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔البتہ یہ حق حکومتی قوانین (مثلاً آمدنی پر لگائے جانے والے ٹیکس سے متعلق قانون) کے حدود میں رہتے ہوئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جن حکومتی اہلکاروں کو اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے لئے یہ حق حاصل ہے اور جو اپنے فرض منصبی کی بنیاد پر ایسی معلومات اور اطلاعات جمع کرنے پر مامور ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ افراد کی اقتصادی صورتحال سے متعلق اطلاعات کو امانت جانتے ہوئے دوسروں کو یہ معلومات فراہم کرنے سے اجتناب کرے۔

لوگوں کا جہاں اموال کا مالک ہونا ان کی پرائیویسی کا حصہ شمار ہوتا ہے وہیں فکری اور معنوی ملکیت سے متعلق حقوق مثلا ایجادات اور کوئی نئ چیز تخلیق کرنا یا کوئی نیا آئیڈیا پیش کرنا بھی ان کے اقتصادی حریم کا مصداق سمجھا جاتا ہے۔

سنہ ۱۹۶۷ عیسوی میں اسٹاک ہوم میں منعقد ہونے والی ماہرین قانون کی بین الاقوامی کانفرنس کی قرارداد میں افراد کی

پرائیویسی کے منافی دس اقدامات کو بیان کیا گیا۔البتہ چونکہ اس قرارداد کو تقریباً پچاس برس ہونے والے ہیں اور حالیہ عشروں کے دوران بہت سی سیاسی اور اجتماعی تبدیلیاں رونما ہوچکی ہیں اس لئے اب یہ قرارداد جامع نہیں ہے اور اس پر نظر ثانی کئے جانے کی ضرورت ہے۔

اسلام کے نزدیک پرائیویسی کی اہمیت

یورپ کے لیگل سسٹمز میں افراد کی پرائیویسی کی حمایت کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے لیکن آسمانی ادیان خصوصا اسلام کے لیگل سسٹم میں اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ابراہیمی ادیان نے دوسرے ہر لیگل سسٹم سے زیادہ اس حق کو اہمیت دی اور اس کی حفاظت اور اس کا خیال رکھے جانے کی تاکید کی ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی دو مقدس کتابوں انجیل اور توریت میں اس مسئلے کی جانب بہت سے اشارے موجود ہیں اور افراد کی پرائیویسی کے بارے میں واضح قوانین بیان کئے گئے ہیں۔

اسلامی ماخذوں اور دینی پیشواؤں کے فرامین میں پرائیویسی کے حق، اس کے تسلیم کئے جانے اور اس کے دفاع کی ضرورت کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے۔

جہاں یہ بات اپنی جگہ پر اہمیت رکھتی ہے کہ اسلام نے پرائیویسی کے حق کو ایک ہزار چار سو سال قبل تسلیم کر لیا تھا وہیں

اس زمانے کے حالات کے پیش نظر اسلام کی جانب سے اس حق کی حمایت اور دفاع کی خاص اہمیت ہے۔

جس زمانے میں دین اسلام نے ظہور کیا اس وقت جزیرۃ العرب اور دوسرے علاقوں میں جاہلی عادات اور وحشیانہ روایات نے انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا حتی زندگی کے بنیادی ترین حق کا بھی دفاع نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ لوگ بڑی آسانی کے ساتھ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور ان کے لئے زندگی اور بقائے حیات کے حق کے قائل نہیں تھے۔

ان حالات میں اسلام نے انسانی حقوق کے علمبردار کی حیثیت سے ہر دین اور عقیدے سے تعلق رکھنے والے تمام انسانوں کی پرائیویسی کی حفاظت پر زور دیا اور سب کو دوسروں کی پرائیویسی کی پامالی سے اجتناب کا حکم دیا۔

اسلام انسان کے حق کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ حق کو بیان کرنے کے علاوہ وہ اس تک رسائی کے طریقے اور اس کے حدود بھی معین کرتا ہے۔ اسلام نے اپنے لیگل سسٹم میں اس

کے دفاع کے طریقے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری ضمانتیں بھی فراہم کی ہیں۔

اسلامی فقہ میں افراد کی پرائیویسی کی حمایت اور اس مسلّم انسانی حق کو پامال کرنے والوں سے مقابلے کے لئے متعدد احکامات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے بعد ائمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت میں افراد کی پرائیویسی کے دفاع کے سلسلے میں بہت سی قابل عمل مثالیں پائی جاتی ہیں۔

اسلام کے نزدیک اگرچہ علم میں اضافہ اور جہل و نادانی کا مقابلہ کمال تک رسائی کا سب سے اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے لیکن دوسروں کے نجی امور سے جہالت اور عدم واقفیت کو کمال اور دانائی کا ایک عظیم مرتبہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ انسان دوسروں کے نجی امور کی جانب اپنے نفس کے میلان کا مقابلہ کرتا ہے، اس کشمکش میں وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور اپنے عزم اور ثابت قدمی کے ساتھ دوسروں کی پرائیویسی کی حفاظت کرتا ہے۔

اسلام میں پرائیویسی کے حق کے اصول و مبانی

یورپ کے لیگل سسٹم کو انسانی حقوق کے سلسلے میں جس مشکل کا ہمیشہ سامنا رہا ہے وہ ان حقوق کے اصولوں و مبانی کے تنزلزل اور ہر مسلّمہ انسانی حق کے حدود کا ٹھیک ٹھیک طور پر معین نہ ہونا ہے۔ اس کی وجہ ایک معین ویلیو سسٹم(**system value-**) کا فقدان ہے۔

اسلامی شریعت میں تمام انسانی حقوق کی بنیاد اقدار پر مبنی اصولوں اور قواعد پر استوار ہے اور ان اقدار اور اصولوں کی شناخت ان حقوق کے استحکام اور ان پر عملدرآمد کی راہ میں کسی طرح کی رکاوٹ وجود میں نہ آنے کا باعث ہے۔

اسلام کے لیگل سسٹم میں موجود پرائیویسی سے متعلق اہم اصولوں کے سرسری جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اس مسلّم انسانی حق کے سلسلے میں بہت عمیق زاویۂ نگاہ رکھتا ہے۔

ا۔انسان کی کرامت کا اصول

انسان کی پرائیویسی کے حق سمیت انسانی حقوق کے مبانی کے بارے میں اسلام کے زاویۂ نگاہ میں مادّی نظریات اور یورپی ہیومن ازم کے برخلاف (کہ جو انسان کے معنوی پہلو پر توجہ نہ دیئے جانے کی وجہ سے عدم تشخص اور تنزلزل کا شکار ہو جاتا ہے) انسان کی ذاتی شرافت اور کرامت پر توجہ دی گئی ہے۔

اسلامی شریعت نے انسان کی ذاتی کرامت کی بنیاد پر اس کے کچھ حقوق تسلیم کئے ہیں جن میں سے ایک پرائیویسی کا حق ہے اور یہ حق ہر انسان کو حاصل ہے۔

اسلام کے نزدیک انسان ایک ایسی مخلوق کا نام ہے کہ جس میں جسمانی پہلو کے علاوہ روحانی پہلو بھی پایا جاتا ہے جو الٰہی روح سے اس میں پھونکی گئی ہے۔ {وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي} [1]

---

[1]۔ سورہ حجر آیت نمبر ۲۹

انسان کا معنوی اور روحانی پہلو دوسری مخلوقات سے اس کے ممتاز ہونے کا باعث بنتا اور اسے کرامت و شرافت سے سرفراز کرتا ہے۔

قرآن کریم نے دوسری مخلوقات پر انسان کی برتری و فضیلت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

{ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا }[1]

"اور ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی ہے اور انہیں خشکی اور دریاؤں میں سواریوں پر اٹھایا ہے اور انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے"۔

انسانی کرامت کی حفاظت کا انحصار اس کی پرائیویسی کے حق کو تسلیم اور اس کی پاسداری کئے جانے پر ہے۔ جب کوئی شخص

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۰

دوسروں کی پرائیویسی کا احترام کرتا ہے تو در حقیقت وہ انسانیت کے عظیم مقام اور انسانوں کی کرامت کی قدر کرتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے دوسرے افراد کی پرائیویسی کو پامال کرنے والوں کے لئے سخت قوانین وضع کر کے ان کو اپنے کریمنل لاء میں ایک بنیادی اسٹریٹیجی قرار دیا ہے۔

اسلامی احکام میں افراد کی پرائیویسی کے تحفظ کی تاکید کی وجہ یہ ہے کہ اسلام انسان کو ہر طرح کی تربیت اور اصلاح کی بنیاد جانتا اور اس کے احترام کو بہت ضروری سمجھتا ہے۔

۲۔ انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے کا سرپرست نہ ہونے کا اصول

اسلامی شریعت میں ولایت مطلقہ ذات ربوبی کے ساتھ مختص ہے۔ صرف خدائے وحدہ لاشریک ہی انسانوں کے جان و مال اور ان کے تمام امور کا سرپرست و حاکم ہے۔

قرآن کریم نے توحید کو بیان کرتے ہوئے اس حاکمیت مطلقہ کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

{وَهُوَ اللَّهُ لاَ إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ}[۱]

''وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور اول و آخر اور دنیا و آخرت میں ساری حمد اسی کے لئے ہے اسی کے لئے حکم ہے اور اسی کی طرف تم سب کو واپس جانا پڑے گا''۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم نے ہر اس حاکمیت کو مسترد کر دیا ہے جس کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت نہیں ہے۔

{إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلَّهِ أَمَرَ أَلاَّ تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ}[۲]

''حکم کرنے کا حق صرف خدا کو ہے اور اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے کہ یہی مستحکم اور سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں''۔

۱۔ سورہ قصص آیت نمبر ۷۰

۲۔ سورۂ یوسف آیت ۴۰

بنابریں بنیادی اور مسلّم اصول کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو دوسرے کی جان، مال اور دوسرے ذاتی امور پر ولایت و سرپرستی حاصل نہ ہو۔ مگر یہ کہ اس سرپرستی کے لئے کوئی معتبر عقلی یا شرعی دلیل موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ جب اس طرح کی عقلی یا شرعی دلیل کے فقدان کی وجہ سے شک و تردد پیدا ہو تو انسان کے احترام پر مبنی قاعدہ کلیہ کی جانب رجوع کرتے ہوئے انسانوں کی ایک دوسرے پر ولایت و سرپرستی نہ ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کی ایک دوسرے پر ناجائز ولایت و سرپرستی انسان کی آزادی سے تضاد رکھتی اور اپنے فطری حقوق اور آزادیوں سے اس کے فائدہ نہ اٹھانے کا موجب بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی ناجائز ولایت و سرپرستی انسان پر ظلم کے مترادف ہے۔

دین مبین اسلام کے قوانین میں مجورین اور صغار کے امور کی سرپرستی اور ولایت کو، جن کو امور حسبیہ کا نام دیا گیا ہے، تسلیم کیا گیا ہے جس کا مقصد ان کے حقوق اور مفادات عامہ کا تحفظ ہے۔

اس کے علاوہ شریعت اسلامیہ نے اسلامی حکمران کی ولایت و سرپرستی کو، کہ جو پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ کے صالح جانشین کی ولایت و سرپرستی کا تسلسل ہے، جائز قرار دیا ہے اور دوسرے یہ کہ اسلامی حکمران کے لئے تقویٰ اور اسلامی احکام کی پابندی جیسی بعض شرائط معین کرکے ذاتی پسند و ناپسند کی بنیاد پر اس ولایت و سرپرستی کے حق کے استعمال کی روک تھام کردی ہے۔ تیسرے یہ کہ مفاد عامہ کے حامل چند مستثنیٰ مقامات کے سوا یہ حق پبلک امور کے سلسلے میں استعمال کیا جاتا ہے اور افراد کے نجی امور کے سلسلے میں اس حق کے استعمال سے گریز کیا جاتا ہے۔ چوتھے یہ کہ مفاد عامہ کی تشخیص، اختیارات کے غلط استعمال اور افراد کی نجی زندگی میں مداخلت کی روک تھام کے لئے دائرۂ کار معین کردیا گیا ہے تاکہ اسلامی حکمران اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے سرپرستی کا حق استعمال کرے۔

ظاہر ہے کہ اسلامی حکمران کی ولایت و سرپرستی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ ہے اور اسلامی حکمران کو یہ ولایت معین

حدود کے ساتھ دی گئی ہے۔ جب تک وہ شرائط کا حامل ہوگا تب تک وہ ولایت و سرپرستی کا حق استعمال کر سکتا ہے اور ان شرائط کا حامل نہ رہنے کی صورت میں وہ خود بخود اس منصب سے الگ ہو جاتا ہے اور سرپرستی و ولایت کا حق استعمال کرنے کا اہل نہیں رہتا ہے۔

۳۔ دوسروں کے نجی امور میں مداخلت نہ کرنے کا اصول

اسلام کے لیگل سسٹم میں شخصی امور اور دوسروں کی پرائیویسی میں دخل اندازی کی ممانعت ایک پالیسی شمار ہوتی ہے جس کے نتیجے میں تمام انسانوں کو اپنے ذاتی امور میں مکمل آزادی حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ افراد کے ذاتی امور میں دوسروں کی ہر طرح کی مداخلت نجی امور میں عدم مداخلت کے قانون کے منافی قرار پاتی ہے۔ یہ مداخلت صرف اس صورت میں جائز ہے کہ انسان یا تو خود اپنے ذاتی امور میں کسی کی دخل اندازی کا خواہاں ہو یا اس نے کسی کو اس کی اجازت دی ہو۔

ضروری نہیں ہے کہ پرائیویسی میں مداخلت جسمانی ہو بلکہ دوسروں کے ذاتی امور کی خفیہ نگرانی، چوری چھپے ان کے نجی امور پر نظر رکھنا، ان کے امور کے بارے میں تجسّس کرنا اور ان کے عیوب کو برملا کرنا بھی ایک طرح سے پرائیویسی میں مداخلت ہی شمار ہوتا ہے اور یہ دوسروں کے امور میں مداخلت نہ کرنے کے اصول کے بھی منافی ہے۔

اس اصول کا ایک واضح مصداق اسلام میں عقائد کی آزادی ہے۔

قرآن کریم نے زبردستی اپنا عقیدہ منوانے کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

{لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ}[1]

''دین میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے''۔

اسلام نے انسان کے ذاتی امور کے دائرے میں اگرچہ اس کی شخصی ذمہ داریاں اس کے تکامل اور بلند درجات پر فائز ہونے کے

---

[1]۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۶

مقصد سے مقرر فرمائی ہیں لیکن اس کے باوجود اس دائرے کے اندر انسان جو کچھ انجام دیتا ہے اسلام اس سے سروکار نہیں رکھتا ہے۔ جب انسان پبلک مقامات پر کوئی عمل انجام دیتا ہے یا کوئی بات کرتا ہے تو چونکہ اس کا عمل اور اس کی بات معاشرے میں اپنا اثر رکھتی ہے اس لئے ایسا شخص اپنی اس بات اور عمل کے سلسلے میں جوابدہ ہے۔ اس سلسلے میں ارتداد کو بطور مثال بیان کیا جاسکتا ہے۔ ارتداد کے چونکہ اجتماعی اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لئے اسلامی شریعت میں مرتد کے لئے خاص احکام مدنظر رکھے گئے ہیں۔

۴۔ مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو کی حرمت کا اصول

شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو کو ایک دوسرے پر حرام قرار دیا ہے۔ اس اصول کی رو سے کسی کو بھی دوسرے کی جان، مال اور آبرو سے کھیلنے کی اجازت نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کے جم غفیر کو جو خطبہ دیا تھا اس میں اس اصول کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"اے لوگو! تمہارا خون اور تمہارا مال قیامت تک کے لئے ایک دوسرے پر حرام ہے"[1]

رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے خون، مال اور آبرو کو کعبہ کے مساوی محترم قرار دیا ہے اور سب لوگوں کو اس احترام کی پابندی کرنے اور باہمی احترام کا حکم دیا ہے۔

مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو کا تحفظ اسلامی معاشرے کے ہر فرد کا بنیادی ترین حق شمار ہوتا ہے اور جہاں ہر شخص دوسروں کی پرائیویسی کا خیال رکھنے کا پابند ہے وہیں اسلامی حکومت کی بھی فرض ہے کہ وہ اس مسلّم حق کی حفاظت کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے اور دوسروں کی جانوں، مال اور آبرو کے ساتھ کھیلنے والوں کا سختی کے ساتھ مقابلہ کرے۔

---

[1] سیرۂ ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۰۳

یہ بات بھی مد نظر رہنی چاہئے کہ اسلامی معاشرے میں افراد کی جان و مال اور آبرو کے محترم ہونے کے اصول کا تعلق صرف مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کی حدود میں زندگی گزارنے والے تمام افراد اس حق سے ہمکنار ہیں۔ مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے خلاف سازش اور شورش نہ کرنے والے غیر مسلم بھی اس حق سے بہرہ مند ہیں اور کوئی بھی ان کے اس حق کو پامال نہیں کر سکتا ہے۔

۵۔ افراد کے امور کے ذاتی ہونے کا اصول

شریعت اسلامیہ میں افراد کے امور کے نجی ہونے کا اصول حکمفرما ہے اور ان امور کو عمومی قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افراد کے امور کے بارے میں تجسّس کرنا اور چوری چھپے ان پر نظر رکھنا جائز اور قابل قبول نہیں ہے۔ البتہ جن امور کے بارے میں دلیل سے ثابت ہو جائے کہ ان کا تعلق معاشرے سے ہے اور وہ عمومی نوعیت کے ہیں تو وہ مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔

۶۔اپنے امور پر انسان کے تسلط کا اصول

انسان کے امور اپنے ہاتھ میں ہونے کا اصول پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث پر مبنی ہے۔آپ کی یہ حدیث تمام مسلمانوں کے ہاں متفق علیہ ہے۔آپ نے فرمایا ہے کہ انسانوں کو اپنے اموال پر تسلط حاصل ہے۔اس حدیث کا ظاہر اگرچہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے اموال پر تسلط حاصل ہے لیکن عقلی اصول کی رو سے یہ حکم انسان کے مالی حقوق تک محدود نہیں ہے بلکہ معنوی اور غیر مالی حقوق سمیت تمام انسانی حقوق اس میں شامل ہیں۔بنابریں انسان کو اپنی زندگی کے امور اور اپنے حقوق پر تسلط حاصل ہے اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ دوسروں کو اس کے حقوق پر تسلط حاصل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

قرآن کریم نے انسان کی اپنی تقدیر اور زندگی کے امور پر اس کے تسلط کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

{ إِنَّ اللهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِم }[1]

''خدا کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرلے''۔

انسان کو اپنے امور پر جو تسلط حاصل ہے اس میں اس کی پرائیویسی کا حق بھی شامل ہے۔ انسان کی پرائیویسی پر دوسروں کا غیر قانونی اور بلاوجہ تسلط اور غلبہ اس اہم اصول کی خلاف ورزی اور انسان کے اپنی تقدیر کے مالک ہونے کے اصول کے منافی ہے جو کہ کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں ہے۔

واضح ہے کہ اپنے امور پر انسان کے تسلط کے اصول کا تعلق صرف اس کے جائز حقوق سے ہے اور جن امور کے لئے حرام کام یا برائی انجام دینا یا اس کی ترویج کرنا پڑے وہ اس اصول کے دائرے سے خارج ہیں۔

---

[1] سورۂ رعد آیت ۱۱

۷۔ عقل اور ضمیر کا حکم

بلا شبہ کسی کی پرائیویسی میں بے جامداخلت، تجسّس، دوسروں کے ذاتی امور کی خفیہ نگرانی ایک ایسی چیز ہے جس کی ہر سلیم عقل اور پاکیزہ ضمیر مذمت کرتا ہے اور ہر منصف مزاج اور اعتدال پسند انسان اسے گناہ اور ناجائز جانتا ہے۔

اسلام میں پرائیویسی کے حدود

اسلامی شریعت میں افراد کی پرائیویسی کی حفاظت کو نہ صرف تمام انسانوں کا انفرادی فرض بلکہ ایک سماجی ذمہ داری اور اسلامی حکومت کا فرض بھی سمجھا گیا ہےاور افراد کی پرائیویسی میں بے جا مداخلت کو، چاہے وہ دوسرے افراد کی جانب سے ہو یا حکومت کے ملازمین کی جانب سے، گناہ اور حرام قرار دیا گیا ہے اور تمام افراد کو اس مقدس حق کا خیال رکھنے اور اس حق کی پامالی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اسلامی شریعت میں دوسروں کی پرائیویسی میں بے جامداخلت کرنے والوں کے لئے اخروی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی سزا مقرر کی گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر افراد کی پرائیویسی کے تمام مطلوبہ پہلو معین نہ کئے جائیں اور ان کی تعریف نہ کر دی جائے اور ہر شخص اپنی صوابدید کی مطابق اس کا تعین کرے تو پھر یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی ہے کہ پرائیویسی کے حق کی کما حقہ حفاظت کی جاسکے گی۔

اسلام نے پرائیویسی کی حد بندی کرنے کے ساتھ ساتھ ان امور کو بھی بیان فرما دیا ہے جن کے ذریعے پرائیویسی میں بے جا مداخلت کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور انسانوں کو ان امور کے ارتکاب سے منع فرمایا ہے اور ان اعمال کا مرتکب ہونے والوں کے لئے سزا بھی مد نظر رکھی ہے۔

ان میں سے بعض اعمال درج ذیل ہیں: تجسّس اور دوسروں کی نجی زندگی میں جھانکنا، اجازت کے بغیر کسی کے گھر اور رہنے کے مقامات میں داخل ہونا، دوسروں کی باتوں کو چوری چھپے سننا، ان کے بارے میں بدگمانی رکھنا، دوسروں کو چوری چھپے دیکھنا اور ان کی تحریروں یا نجی اشیاء پر اجازت کے بغیر نظر ڈالنا، چغلی کھانا، غیبت کرنا، گالی دینا، برا بھلا کہنا، برائی کی ترویج کرنا، دوسروں کے اسرار فاش کرنا اور ان کے عیوب بیان کرنا اور افراد کی ہتک عزت کرنا۔

اب ہم مندرجہ بالا تمام امور کا اجمالی طور پر جائزہ لیتے ہیں اور اسلام کی عظیم تعلیمات کی روشنی میں ان سے بچنے کے طریقے بیان کرتے ہیں۔

ا۔ تجسّس اور تحسس کی ممانعت

لغت کی کتابوں میں تجسّس کے مختلف معانی منجملہ ہاتھ کے ساتھ چھونا، ہاتھ لگانا، جستجو کرنا، جائزہ لینا، ہاتھ کے ساتھ ٹٹولنا، پتہ لگانا اور تحقیق کرنا بیان کئے گئے ہیں۔ان تمام معانی کا سرچشمہ یا ان کی قدر مشترک دوسرے فرد کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے۔

اصطلاح میں تجسّس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی فرد کسی دوسرے شخص کے ایسے امور سے مطلع ہونے کی کوشش کرے جن کو وہ خفیہ رکھنا چاہتا ہو یا دوسروں کی ان امور تک رسائی کو پسند نہ کرتا ہو۔ جو شخص ایسے امور تک رسائی کی کوشش کرتا ہے اسے " جاسوس" کہا جاتا ہے۔

" تحسس "کے معنی بھی دوسروں سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے ہیں۔

بعض دانشوروں نے تجسّس اور تحسس کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیا ہے۔ یہ دانشور ان دونوں کے مفہوم میں کسی فرق کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن بعض دوسرے دانشوروں کا کہنا ہے کہ ان دونوں الفاظ میں یہ فرق ہے کہ تجسّس میں جاسوس ایسی معلومات حاصل کرنے کے درپے رہتا ہے جو اس سے چھپائی گئی ہوں جب کہ تحسس کے معنی دوسروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے چاہے وہ اس سے چھپائی نہ گئی ہوں۔

اس کے علاوہ ان دانشوروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ تجسّس کا تعلق ایسی اخبار یا معلومات حاصل کرنا ہے جن کا تعلق دوسروں کے خفیہ امور کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ ظاہری امور کے ساتھ جب کہ تحسس کا تعلق ایسی اخبار یا معلومات سے ہوتا ہے جن کو انسان زیادہ سعی و کوشش کے بغیر اپنے بعض حواس کے ذریعے حاصل کرلیتا ہے۔ دانشوروں نے تجسّس اور تحسس کا فرق ان کے ارتکاب

کے مقصد کی بنیاد پر بھی بیان کیا ہے۔ بنابریں ان دانشوروں نے غلط مقصد کے لئے دوسروں کے امور سے باخبر ہونے اور دوسروں کو ان سے مطلع کرنے کو تجسّس قرار دیا ہے جب کہ نیک نیتی کے ساتھ اور کسی برے مقصد کے بغیر دوسروں کے امور سے باخبر ہونے کو تحسس گردانا ہے۔

تجسّس اور تفتیش کے ارکان درج ذیل ہیں:

الف۔ دوسرے افراد کے ایسے خفیہ امور سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنا جن تک دوسروں کی رسائی کو یہ افراد پسند نہیں کرتے ہیں۔

ب۔ ان امور کا اس طرح شخصی اور نجی ہونا کہ ان امور تک رسائی کا حق صرف اسی کو حاصل ہو یہ امور جس سے متعلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں تجسّس کو صراحت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں صاحبان ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

{یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا ... وَلاَ تَجَسَّسُوا }[۱]

"ایمان والو۔۔۔اور تجسّس نہ کرو"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ میں اس لئے مبعوث نہیں ہوا ہوں کہ لوگوں کے دلوں کا کھوج لگاؤں اور ان کے پوشیدہ افکار سے آشنا ہوؤں۔[۲]

دوسروں کے نجی امور میں دخالت ایک جانب جاسوس کو اس لت میں جکڑ دیتا ہے تو دوسری جانب اس کا وضعی اثر معاشرے میں غیر محفوظ ہونے کے احساس کی صورت میں مرتب ہوتا ہے اور اس بات کا سبب بنتا ہے کہ معاشرے کے لئے عظیم سرمایہ سمجھے جانے والے اعتماد اور امن عامہ کو نقصان پہنچتا ہے خاص طور پر اس وقت جب حکومت کی جانب سے لوگوں کے نجی امور میں ناجائز اور بے جا مداخلت کی جائے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان

۱۔ سورۂ حجرات آیت ۱۲

۲۔ میزان الحکمۃ، ری شہری صفحہ ۳۹۱

کے مطابق یہ چیز معاشرے اور لوگوں کے درمیان برائی پھیلنے کا سبب بنتی ہے۔[1]

حتی اگر گھر میں بھی میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے یا اپنی اولاد کے سلسلے میں کوئی ایسا اقدام انجام دیں جو معمول کی نگرانی سے بڑھ کر ہو یا ان کی شان کے منافی ہو اور اسے تجسّس قرار دیا جائے تو یہ امر بدگمانی اور عدم اعتمادی کی بیماری اور نتیجتاً گھرانے کی بنیادیں کمزور ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں گھر والوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص تجسّس کی نیت سے گھر کی تلاشی لینا چاہئے تو اسے روک دیں۔ اگر روکنے پر بھی جاسوسی سے باز نہ آئے اور تجسّس کا سلسلہ جاری رکھے تو گھر والے اسے پتھر مار کر اس عمل سے باز رکھ سکتے ہیں۔ اگر پتھر لگنے کی وجہ سے جاسوس زخمی ہو جائے یا اس کی موت واقع ہو جائے بشرطیکہ گھر والوں کی نیت اسے جان سے مارنے کی نہ ہو تو شریعت میں ان کو ضامن نہیں سمجھا جائے گا۔

---

[1] سنن ابن داؤد جلد چہارم صفحہ ۲۷۲

لوگوں کی پرائیویسی میں جسمانی مداخلت کے علاوہ دوسروں کے عقائد اور نظریات کا کھوج لگانا بھی تجسّس اور صاحب عقیدہ شخص کی پرائیویسی کے حق کی پامالی کا واضح مصداق ہے اور اسلام نے اس سے منع فرمایا ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلام نے افراد کے نجی امور کے تجسّس اور پرائیویسی میں بے جا مداخلت سے جو منع فرمایا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کی نجی زندگی اور پرائیویسی میں بے جا مداخلت سماجی اور انسانی تعلقات کے بگاڑ میں بہت مؤثر ہوتی ہے اور بہت سی سماجی برائیوں کی جڑ بھی یہی ہے۔ اس اجتماعی آفت کی روک تھام کے ذریعے بہت مؤثر انداز میں انسانوں کے باہمی تعلقات کی تقویت کی جا سکتی ہے۔ البتہ ضروری ہے کہ اجتماعی امور کے تجسّس اور نجی امور کے تجسّس میں فرق روا رکھا جائے۔ اسلام نے نجی امور کا کھوج لگانے اور ان کے بارے میں تجسّس سے منع کیا ہے اور اس تجسّس کو حرام اور غیر اخلاقی قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امر انسانی کرامت اور شرافت

کے منافی ہے جب کہ برائیوں کے خاتمے کے مقصد سے اجتماعی امور کے سلسلے میں تجسّس مفاد عامہ کے لئے ضروری اور لازمی ہے اور اسے اسلامی حکومت کے فرائض میں سے شمار کیا جاتا ہے۔

بنابریں نجی امور میں تجسّس کے مصادیق اجتماعی امور میں تجسّس کے مصادیق سے مختلف ہیں۔

اجتماعی امور کے سلسلے میں تجسّس کے مصادیق درج ذیل ہیں:

معاشرے میں افراد کے اجتماعی رویئے کی مسلسل نگرانی، دشمنوں کے اقدامات پر نظر رکھنا، معاشرے پر اثر انداز ہونے والے واقعات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔

افراد کے نجی امور کے سلسلے میں تجسّس کے مصادیق درج ذیل ہیں:

آلات کے ذریعے یا اپنے کانوں سے دوسروں کی اجازت کے بغیر چوری چھپے ان کی باتیں سننا اور اس طرح ان کے نجی امور سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنا، دوسروں کے ذاتی سامان کو چیک کرنا، ان کے شخصی امور کے بارے میں پوچھنا، کسی کے خفیہ عیوب،

گناہوں اور برائیوں سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنا مثلا کسی کے چھپ کر شراب پینے کی صورت میں اس کے منھ کو سونگھنا۔ مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "و لا تجسسوا" کی روسے ہر طرح کا غیر ضروری تجسّس حرام ہے۔

۲۔اجازت کے بغیر دوسروں کی خلوت گاہ میں داخل ہونے کی ممانعت

بلاشبہ گھر اور رہائش گاہ افراد کی پرائیویسی کا ایک واضح اور اہم مصداق ہے۔ اجازت کے بغیر کسی کے گھر اور رہائش گاہ میں داخل ہونا گھر والے کی پرائیویسی کی حق تلفی شمار ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ کے صالح جانشینوں کی سیرت طیبہ میں دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے بارے میں خاص آداب مد نظر رکھے گئے ہیں اور مسلمانوں پر ان آداب کی پابندی کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ ان آداب کے مطابق جب بھی کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو اسے درج ذیل اقدامات انجام دینا ہوں گے۔

۱۔استیناس

دوسروں کی رہائش گاہ میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے گھر والوں کو اپنے بارے میں آگاہ کرے۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں فرمایا ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا }[۱]

"ایمان والو خبردار اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا جب تک کہ صاحبِ خانہ سے انس حاصل نہ ہو جائے"

استیناس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے گھر میں جانے والا شخص پہلے اپنا تعارف کروائے اور صاحب خانہ سے انس پیدا کرے۔

اس نکتے پر توجہ دینا بھی اہمیت کا حامل ہے کہ قرآن کریم میں لفظ استیناس استعمال کیا گیا ہے جو "انس" سے مشتق ہے۔اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ دوسروں کے گھر میں جانے والا شخص سب سے

---

[۱] سورۂ نور آیت ۲۷

پہلے ادب، دوستی، محبت اور نرمی کے ساتھ گھر والوں سے اپنا تعارف کرائے۔

۲۔ استیذان

دوسروں کے گھر میں، کہ جو پرائیویسی کا نمایاں ترین مصداق ہے، داخل ہونا صاحب خانہ کی اجازت پر منحصر ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب دوسروں کی اجازت کے بغیر ان کے گھروں میں داخل ہوتے تھے۔ صدر اسلام میں بھی یہ عادت برقرار تھی اور اس زمانے کے مسلمان بھی صاحبان خانہ کی اجازت کے بغیر ان کے گھروں میں داخل ہو جاتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس غلط رویئے کی اصلاح، لوگوں کے گھروں کے احترام اور ان کی پرائیویسی کی حفاظت کے لئے مسلمان ایک دوسرے کے گھر میں داخل ہونے کے لئے پہلے استیناس کریں، اس کے بعد صاحب خانہ سے اجازت طلب کریں اور جب تک ان کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ مل جائے تب تک گھر کے اندر داخل ہونے سے اجتناب کریں۔

{فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَداً فَلاَ تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ }[۱]

"پھر اگر گھر میں کوئی نہ ملے تو اس وقت تک داخل نہ ہو نا جب تک اجازت نہ مل جائے"

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں آیا ہے کہ آپ اپنی دختر گرامی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر میں داخل ہونے کے لئے اس گھر والوں کو سلام کرتے اور پھر اپنی بیٹی سے اجازت لیتے تھے۔آپ یا آپ کے اصحاب کبھی بھی اجازت حاصل کئے بغیر ان کے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔

فطری بات ہے کہ انسان کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ گھر کے افراد ہمیشہ اس کی پذیرائی کے لئے آمادہ ہوں گے اور وہ ہمیشہ اسے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت کا مثبت جواب دیں گے بلکہ گھر کے احترام اور گھر کے مالک کے حقوق کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ مہمان کی پذیرائی کی آمادگی نہ رکھتا ہو اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت کا

۱۔ سورہ نور آیت ۲۸

منفی جواب دے تو مہمان کو اس گھر میں داخل نہیں ہونا چاہئے اور برا مانے بغیر واپس لوٹ جانا چاہئے کیونکہ انسان بعض اوقات اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ اپنی زندگی کا کچھ حصہ دوسروں سے رابطے اور ان کی موجودگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل سے دور رہ کر اپنے گھر کے افراد کے ساتھ بسر کرے یا ہر طرح کے معمول کے امور سے لا تعلق رہ کر اپنی محفوظ خلوت گاہ میں رہے اور کچھ دیر کے لئے دوسروں سے الگ رہے اور آزادی محسوس کرے۔ اس بات کو قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

{وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ}[۱]

''اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جانا کہ یہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ امر ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے''۔

---

[۱]۔ سورہ نور آیت ۲۸

پرائیویسی کے سلسلے میں اسلام کے زاویۂ نگاہ کی گہرائی کا اس وقت پتہ چلتا ہے کہ جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں دوسروں کی رہائش گاہ میں داخل ہونے کے سلسلے میں خاص آداب کا خیال رکھا گیا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کرتے وقت دروازے کے بالکل سامنے نہیں کھڑا ہونا چاہئے۔ روایت میں آیا ہے کہ ابوسعید پیغمبر اکرم ﷺ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کرتے وقت آپ کے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اجازت کے حصول کے موقع پر دروازے کے سامنے کھڑا نہ ہوا کرو بلکہ دروازے کی داہنی جانب یا بائیں جانب کھڑا ہوا کرو تاکہ دروازہ کھلتے وقت گھر کے اندر نظر نہ جاسکے اور گھر والوں کو پریشانی نہ ہو۔

۳۔ گھر والوں کو سلام کہنا

اسلام نے حکم دیا ہے کہ جو شخص کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ استیناس کے بعد گھر والوں کو سلام کہے اور جواب کا

منتظر رہے اور کبھی بھی کسی کے گھر میں سلام کیے بغیر داخل نہ ہو۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں فرمایا ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا . . . }[۱]

"ایمان والو خبردار اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا جب تک کہ صاحبِ خانہ سے اجازت نہ لے لو اور انہیں سلام نہ کرلو"

۴۔ معمول کے راستے سے داخل ہونا

استیناس (یعنی انس پیدا کرنے) اور استیذان (یعنی اذن حاصل کرنے) کے بعد یہ توقع ہوتی ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے والا معمول کے راستے اور طے شدہ مقام سے گھر میں داخل ہوگا نہ کہ غیر معمولی راستے اور جگہ سے۔

۱۔ سورہ نور آیت ۲۷

قرآن کریم نے اس نکتے کا خیال رکھے جانے کی تاکید ان الفاظ میں کی ہے:

{وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} [1]

"اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ مکانات میں پچھواڑے کی طرف سے آؤ، بلکہ نیکی ان کے لئے ہے جو پرہیزگار ہوں اور مکانات میں دروازوں کی طرف سے آئیں اور اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ"۔

حتیٰ افراد کے نجی مقامات کی قانونی اور جائز تلاشی لیتے وقت بھی اس امر کا خیال رکھا جانا ضروری ہے تاکہ افراد کے امن میں خلل واقع نہ ہو۔

---

[1] سورۂ بقرہ ۱۸۹

ڈیکلیریشن آف ہیومن رائٹس ان اسلام میں افراد کی رہائش گاہ کے احترام کے بارے میں کہا گیا ہے: رہائش گاہ ہر حالت میں محترم ہے اور اس میں رہنے والوں کی اجازت کے بغیر ناجائز طریقے سے اس میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ نہ اسے منہدم کرنا چاہئے، نہ اسے نیلام کرنا چاہئے اور نہ ہی اس میں رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا چاہئے۔[۱]

واضح سی بات ہے کہ حکومت کے اہلکاروں کو بھی، سوائے ان مواقع کے جن کو قانون نے مفادات عامہ کے مقصد سے جائز قرار دیا ہے، مالک کی اجازت کے بغیر اس کی چار دیواری میں داخل ہو کر اس کے امن وسکون کو خطرے میں ڈالنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

۳۔ ہتک ستر اور برائی کی ترویج کی ممانعت

ہتک ستر کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی کے خفیہ امور کو برملا کر دے اور اس کی ذاتی زندگی میں بے جا مداخلت کرے۔ ہتک ستر

---

[۱]۔ آرٹیکل ج شق ۱۸

کی ایک خصوصیت دوسرے افراد کے ایسے امور کو فاش کرنا ہے جن کو عموما یہ افراد برملا کرنے سے اجتناب کرتے ہیں یا ان کے مخفی رہنے کو ان کے ظاہر کئے جانے پر ترجیح دیتے ہیں۔

ستر یا پوشیدگی کے سلسلے میں شخصی معیار کے بجائے نوعی معیار کو مد نظر رکھے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے بعض ایسے امور کے فاش ہونے پر ناراض نہ ہو یا وہ اس بات کی اجازت دے اور چاہتا ہو کہ اس کے بعض ایسے نجی امور فاش کئے جائیں جن کو لوگ عام طور پر دوسروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں جب کہ یہ امور برائی کی ترویج کے زمرے میں آتے ہوں تو ظاہر سی بات ہے کہ ایسے مواقع پر حتی اس شخص کی اجازت کے باوجود ہتک ستر اور ان امور کا فاش کیا جانا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے امور کا فاش کیا جانا اجتماعی اخلاق کے منافی اور سماجی حقوق کی پامالی ہے۔ جیسا کہ شریعت اسلامیہ میں "عورت" یعنی شرمگاہ کو چھپانے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے شرمگاہ کو ظاہر کئے جانے کو جائز قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اس کے ظاہر کرنے والے کو برائی

پھیلانے والا مجرم گردانا گیا ہے اور ایسے شخص کو سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر اخلاقی امور کے فاش کئے جانے کے ذریعے برائی کی ترویج کرنے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"برائی کی ترویج کرنے والا اسی شخص جیسا ہے جو اس برائی کو وجود میں لایا ہے"۔[1]

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اس کا "ستّار" ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے برے کاموں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس نے لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے کو تمام انسانوں کا فرض قرار دیا ہے اور وہ دوسروں کے عیوب کو چھپانے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں پردہ پوشی کا حق ان حقوق میں شمار ہوتا ہے جو تمام مسلمان ایک دوسرے کی نسبت رکھتے ہیں۔ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس حق کا خیال رکھیں۔ بنابریں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کے عیوب چھپائے اور ہر ایسی

---

[1]۔ تحریر الوسیلہ امام خمینی رح صفحہ ۹۴

بات کو برملا کرنے سے اجتناب کرے جس سے کسی مسلمان کی عزت پر حرف آتا ہو یا اس سے اجتماعی پاکدامنی پر زد پڑتی ہو۔ البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے شخص کو خلوت میں اس کے عیوب سے آگاہ کرے اور اسے غیر اخلاقی اور نادرست عمل کے ارتکاب سے منع کرے۔

برائی کی ترویج اور دوسروں کے نجی امور فاش کرنے کے بارے میں اسلام کے زیادہ حساس ہونے کی ایک وجہ تو ہے کہ عقلی طور پر ایسا کرنا ضروری ہے اور شرعی طور پر بھی دوسروں سے اپنے عیوب چھپانا واجب ہے اور ایسے رازوں اور خطاؤں کے برملا کئے جانے کی ممانعت ہے جن کا ظاہر کیا جانا جائز اور پسندیدہ نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ افراد کے نجی امور فاش کئے جانے کے معاشرے پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اس طرح کے امور برملا کرنے سے معاشرے میں اخلاقی برائیاں پھیلتی ہیں۔

اس کے علاوہ انسان کی ذاتی کرامت اور احترام اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان دوسروں کو منع کرنے کے علاوہ خود بھی اپنے ایسے نجی امور کو فاش کرنے سے اجتناب کرے جو اس کی شخصیت خراب ہونے کا موجب بنتے ہوں اور اسے اپنے ایسے تمام امور کے فاش کئے جانے کا مقابلہ کرنا چاہئے جن کا برملا کیا جانا مذموم سمجھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام جہاں حکومت اور حکومتی اہلکاروں نیز دوسرے افراد کو کسی کے پرائیویسی کے حق کو پامال کرنے اور جنسی اسکینڈل سمیت اس کے برے کاموں کو فاش کرنے سے منع کرتا ہے وہیں انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ خود اپنے اسرار اور امور کو فاش کرے یا کسی دوسرے شخص کو ان کے فاش کرنے کی اجازت دے جن کو مخفی رکھے جانے کی ضرورت کے پیش نظر " عورت " کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

شائد بہت سے امور میں انسان دوسروں کو اپنے نجی امور میں مداخلت کی اجازت دے سکتا ہے لیکن جن امور کی وجہ سے

معاشرے میں برائی کی ترویج ہوتی ہو ان امور کے سلسلے میں کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے نجی امور میں مداخلت اور ان امور کو برملا کرنے کی اجازت دے۔

۴۔ عیب جوئی کی ممانعت

عیب جوئی کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی شخص کے عیوب تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی ایسی خطاؤں، گناہوں اور لغزشوں کا کھوج لگانے کی کوشش کرے جو دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہوں اور پھر لوگوں کو ان سے آگاہ کرے۔ واضح سی بات ہے کہ عیب جوئی کی صفت کا لازمہ دوسروں کے عیوب اور نقائص کا پتہ لگانے کے مقصد سے ان کی پرائیویسی کے حدود میں ناجائز طور پر داخل ہونا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں ایک عظیم اخلاقی صفت دوسروں کی عیب پوشی سے عبارت ہے۔ یہ پسندیدہ صفت اس حد تک اہم ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

" جو شخص اپنے بھائی کے ناپسندیدہ کام اور خطا کو دیکھنے کے بعد اسے پوشیدہ رکھے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس شخص کی عیب پوشی کرے گا"۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے اس صفت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اس کا موازنہ انسان کے سب سے بڑے سرمائے یعنی زندگی کے ساتھ کیا اور فرمایا:

" جس شخص نے کسی مومن کے برے کام کو پوشیدہ رکھا تو گویا اس نے زندہ دفن کی جانے والی لڑکی کو نجات دی۔ "

دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی اور ان کو فاش نہ کرنے کے ذریعے ان کی عزت کا تحفظ کرنا اسلام کے نزدیک جوانمردی کی علامت ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی سے پوچھا کہ اگر کسی مرد کو کسی بدکار عورت کے اوپر دیکھو گے تو کیا کرو گے؟ حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں اسے ڈھانپ دوں گا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر دوسری مرتبہ

دیکھو تو کیا کرو گے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تین مرتبہ اپنی عبا سے اسے ڈھانپ دوں گا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کی جوانمردی کو سراہا اور فرمایا:

"اپنے بھائیوں کی پردہ پوشی کرو"

پردہ پوشی کی اہمیت اس حد تک ہے کہ دنیا کے علاوہ قیامت کے دن بھی اس پر توجہ دی جائے گی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ قیامت کے دن پیغمبر اکرم ﷺ قیامت اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ وہ آپ کی امت کے حساب کتاب کو فرشتوں اور دوسری امت کے انبیاء کی نگاہوں سے اوجھل رکھے تاکہ مسلمانوں کے عیوب برملا نہ ہوں اور ان کی عزت وآبرو محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی اس استدعا کو قبول فرمائے گا۔

شریعت اسلامیہ میں اخلاقی رذائل میں عیب جوئی کو بدترین گناہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں انسان کو اس

ناپسندیدہ صفت سے منع فرمایا گیا ہے اور عیب جوئی کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

{ وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ }[۱]

"تباہی اور بربادی ہے ہر طعنہ زن اور چغلخور کے لئے"

{ وَلاَ تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ }[۲]

"آپس میں ایک دوسرے کو طعنے بھی نہ دینا"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیب جوئی کرنے والوں کو بدترین انسان قرار دیتے ہوئے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے:

"عیبجو، ثنا گو، طعنہ دینے والے اور ہٹ دھرم نہ بنو"[۳]

اسلامی تعلیمات میں ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کی خوبیاں چھپانے اور ان کے عیوب برملا کرنے کے درپے رہتے ہیں۔[۴]

---

[۱]۔ سورۂ ھمزہ آیت ۱

[۲]۔ سورۂ حجرات آیت ۱۱

[۳]۔ مکارم الاخلاق صفحہ ۴۶۷

[۴]۔ غرر الحکم، حدیث نمبر ۹۵۶۵

حدیث معراجیہ میں پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"جب میں اللہ تعالیٰ کے امر سے معراج پر گیا تو میں نے لوگوں کا ایک ایسا گروہ دیکھا جن کے بدنوں سے گوشت کاٹ کر ان کو کھلایا جارہا تھا اور ان سے کہا جارہا تھا کہ اسے کھاؤ کیونکہ تم دنیا میں اپنے مسلمان بھائیوں کا گوشت کھایا کرتے تھے تو میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے عیب جو اور چغلخور ہیں"[1]

اس بات پر بھی توجہ رہنی چاہئے کہ عیب جوئی کا نتیجہ صرف ایک انسان کی ہتک عزت کی صورت میں ہی برآمد نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ مذموم صفت عیب کے حامل شخص کی ہتک عزت کے علاوہ معاشرے میں برائیوں کو بھی جنم دیتی ہے اور انسان کو اپنے عیوب کے سلسلے میں نابینا جب کہ دوسروں کے عیوب کے بارے میں بینا بنا دیتی ہے۔ اکثر مواقع پر عیب جو افراد دوسروں کے نجی امور کے بارے میں تجسّس کرتے ہیں اور اس تجسّس میں ان کی

[1]۔ آفات زبان، ج۱، صفحہ ۲۵۱

نظر دوسروں کے نقائص پر مرکوز رہتی ہے اور وہ ان کے مثبت نکات اور خوبیوں پر توجہ نہیں دیتے ہیں۔ عیب جوئی کی ناپسندیدہ صفت کو انفرادی بیماری کے علاوہ، کہ جس کی جڑ احساس کمتری، نفسیاتی عدم توازن، مال و دولت جمع کرنے کا رجحان اور مادّیت پسندی ہوتی ہے، درحقیقت ایک اجتماعی بیماری سمجھنا چاہئے کہ جو افراد کی پرائیویسی کے تقدس اور ان کی ہتک عزت جیسے انفرادی منفی اثرات کی حامل ہونے کے علاوہ اجتماعی طور پر انسانوں کے کمال کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ صفت انفرادی اور شخصی امن و سکون کی تباہی کے علاوہ اجتماعی اتحاد کے پارہ پارہ ہونے اور اجتماعی سکون میں خلل ڈالنے اور معاشرے میں مثبت سوچ کے بجائے منفی سوچ کے پھیلاؤ کی بھی موجب بنتی ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو عیب جوئی کی بری صفت سے منع کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کو اس کے سبب قرار دیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا کمزور ہونا۔[۱]

---

[۱]۔ سورۂ حجرات آیت ۱۱

۲۔ نفاق و منافقت[1]
۳۔ فسق و فجور[2]
۴۔ ظلم و ستم[3]
۵۔ گناہوں سے آلودہ ہونا[4]

شریعت اسلامیہ نے دوسروں کے عیب تلاش کرنے والوں کو عذاب کا مستحق قرار دیا ہے اور ان کو مغفرت اور ہدایت الٰہیہ سے محروم کرنے[5] کے علاوہ ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب[6] کا وعدہ فرمایا ہے۔

البتہ یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ عیب جوئی کے منفی نتائج آخرت کے ساتھ مختص نہیں ہیں بلکہ دنیا میں اس بری صفت کا

---

[1]۔ سورۂ توبہ آیت ۸۰ اور سورۂ مطففین آیات ۳۰، ۳۶
[2]۔ سورۂ توبہ آیت ۸۰
[3]۔ سورۂ حجرات آیت ۱۱
[4]۔ سورۂ مطففین آیات ۲۹، ۳۰
[5]۔ سورۂ توبہ آیت ۸۰
[6]۔ سورۂ توبہ آیت ۷۹، سورۂ بقرہ آیت ۱۶، اور سورۂ مطففین آیات ۲۹، ۳۶

وضعی اثر عیب جو فرد کی رسوائی اور اس کے اپنے عیوب ظاہر ہونے کی صورت میں مرتب ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

" اے وہ لوگو جو ظاہر میں اسلام لائے ہو لیکن اسلام تمہارے قلوب میں راسخ نہیں ہوا ہے مسلمانوں کی لغزشوں کی جستجو میں نہ رہو کہ ان کو رسوا کر سکو کیونکہ جو شخص دوسروں کی خطاؤں کی جستجو میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو آشکار اور اس کو رسوا کر دے گا"۔[1]

آپ نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو فاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسی کے عیب کو فاش کر دے گا اور اسے اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا"۔[2]

اس میں شک نہیں کہ انسان دوسروں سے حسد اور ان کے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار ہونے کی بناء پر اس مذموم اور

---

[1]۔ اصول کافی جلد ۳ صفحہ ۳۵۵

[2]۔ الترغیب والترهیب جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ حدیث ۹

ناپسندیدہ عمل کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ دوسروں کی ترقی اور کامیابی کو برداشت نہیں کر سکتا ہے۔

البتہ یہ بھی گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ اسلام نے دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالنے کی جو تاکید کی ہے اس کے معنی ان کے عیوب سے لاتعلق رہنے کے ہیں بلکہ عیب پوشی کے معنی دوسروں کے عیوب برملانہ کرنے، ان کے احترام کا تحفظ کرنے اور ان کو رسوانہ کرنے کے ہیں۔ عیوب کے خاتمے کے مقصد سے دوسروں کو خاص شرائط کے ساتھ ان کے عیوب سے آگاہ کرنا انسانوں کا فرض ہے۔ اگر دوسروں کے عیوب پر اس طرح پردہ ڈالنا کہ یہ چیز بجائے خود اپنے نادرست عمل کو جاری رکھنے کے سلسلے میں ان کے زیادہ گستاخ ہونے کا سبب بنے تو اس صورت میں ان کے عیوب پر پردہ ڈالنا بھی برا عمل انجام دینے کی طرح ایک ناپسندیدہ فعل ہے اور ان کے ساتھ خیانت شمار ہوتی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ایک اہم اصول کے طور پر عیوب کے خاتمے کی کوشش صاحبان ایمان کی ایک پسندیدہ

خصوصیت بلکہ ان کا ایک دینی اور انسانی فرض ہے جو انسانوں کے اجتماعی تزکیہ کے ساتھ ساتھ ان کے کمال کا موجب بھی ہوتا ہے۔

عیوب کے خاتمے کی کوشش اور عیب جوئی میں یہ فرق ہے کہ عیوب کے خاتمے کی کوشش نیک نیتی اور عیوب کے حامل شخص کی اصلاح اور اس کے تزکیہ کے مقصد سے انجام پاتی ہے لیکن عیب جوئی کا محرک دوسروں کا مرتبہ گھٹانا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیب جوئی کا نتیجہ دوسروں کی بے عزتی اور برائیوں کی ترویج کے سوا کچھ اور برآمد نہیں ہوتا ہے۔

عیوب کے خاتمے کی کوشش ہمیشہ خلوت میں نیک نیتی کے ساتھ یاد دہانی کرانے، افراد کی شخصیت اور ان کے مقام و منصب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے احترام کے ساتھ ان پر صحیح تنقید کرنے کا نام ہے جب کہ عیب جوئی کا عمل دوسروں کے عیوب کو نمایاں کرنے کا سبب بنتا ہے، علانیہ اور بے جا تنقید کے ذریعے افراد کی شخصیت کو حملے کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ الٹا برآمد ہوتا ہے۔

آخری نکتہ یہ کہ عیب ختم کرنے کی کوشش کے دوران جیسا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ انسان اس کا آغاز اپنی ذات سے کرے اور اس کے بعد شفقت اور مہربانی کے ساتھ دوسروں کے عیوب کی جانب توجہ دے ویسے ہی عیب جوئی کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے عیوب پر اپنی توجہ مرکوز کرے۔

۵۔بدگمانی کی ممانعت

بدگمانی کے معنی یہ ہیں کہ انسان دوسروں کے ظاہری کلام اور عمل کے بارے میں برا گمان کرے اور اس کے پاس اس بدگمانی کی کوئی قابل قبول دلیل بھی موجود نہ ہو جو دوسروں کے ظاہری اعمال اور کردار پر اعتماد کرنے سے مانع ہو۔

ایک اہم اخلاقی بیماری کے طور پر بدگمانی کے اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔ دوسروں کی پرائیویسی کا خیال نہ رکھنا اور دوسروں کے نجی امور کے بارے میں تجسّس کا رجحان اور غیبت کرنا۔

۲۔ بدگوئی کہ جو غیر شعوری طور پر دوسروں کے بارے میں بدگمانی کا سبب بنتی ہے۔ بدگمان انسان میں چونکہ نفسیاتی توازن نہیں پایا جاتا ہے اس لئے وہ دوسروں کے بارے میں ہمیشہ برا گمان رکھتا ہے۔

۳۔ انسان کے فکر و ذہن پر شیطان کا تسلط : اس کا نتیجہ تقوے سے دوری کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اور یہ بدگمان انسان کے ذہن میں وسوسے پیدا ہونے اور اس کی منفی سوچ کی تقویت کا سبب بنتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات، پیغمبر اکرم ﷺ اور دوسرے دینی پیشواؤں کی سیرت میں لوگوں کے بارے میں بدگمانی کو ان کی پرائیویسی اور نجی امور میں جھانکنے کا سبب قرار دیا گیا ہے اور اس خطرناک بیماری سے اجتناب اور اس کے قلع قمع کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

قرآن کریم نے مومنین کو دوسروں کے بارے میں زیادہ گمان سے کام لینے سے منع کیا ہے اور بہت سے گمانوں کو گناہ قرار دیا ہے۔

{یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا کَثِیراً مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ }[۱]

''ایمان والو اکثر گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں''

اللہ تعالیٰ نے بد گمانی کو ایک بہت بڑی آفت اور معاشرے کی تباہی کا سبب قرار دیا ہے۔

{ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَکُنتُمْ قَوْماً بُوراً }[۲]

''اور تم نے بد گمانی سے کام لیا اور تم ہلاک ہو جانے والی قوم ہو''

قرآن کریم کے نزدیک ظن اور گمان انسان کو حقیقت سے مستغنی نہیں کر سکتا ہے۔

{ وَإِنَّ الظَّنَّ لاَ یُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَیْئاً }[۳]

''گمان حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے''

---

[۱]۔ سورۂ حجرات آیت ۱۲

[۲]۔ سورۂ فتح، آیت ۱۲

[۳]۔ سورۂ نجم، آیت ۲۸

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انسانوں کو گمان سے اجتناب کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"ظن و گمان سے بچے رہو۔ ظن و گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔"[۱]

بلاشبہ ظنّ و گمان افراد کے انفرادی اور سماجی تعلقات میں خلل اور ان کی شخصیت کی بے توقیری اور معاشرے کے افراد کے ایک دوسرے پر اعتماد کی کمزوری کا سبب بنتا ہے اور یہ چیز اسلامی شریعت کی حکمت عملی کے ساتھ، کہ جو معاشرے کے افراد کے باہمی تعلقات اور سماجی اتحاد کی تقویت سے عبارت ہے، تضاد رکھتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کے حریم کو بیان کرتے ہوئے بدگمانی سے اجتناب کو خدائی احکام میں سے قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

---

[۱]۔ میزان الحکمۃ صفحہ ۲۹۳

"اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال کے بارے میں بد گمانی کو حرار قرار دیا ہے۔"[۱]

پیغمبر اکرم ﷺ نے دوسروں کے بارے میں بد گمانی کو ایمان کے زائل ہونے کا سبب قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"جب بھی کوئی مومن اپنے دینی بھائی پر الزام لگاتا ہے تو اس کا ایمان اسی طرح تحلیل ہو جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں تحلیل ہو جاتا ہے۔"

اسلام کی عظیم تعلیمات میں بد گمانی سے بچاؤ کے لئے درج ذیل طریقے بیان کئے ہیں:

۱۔ اپنے بارے میں بد گمانی

اگر مسلمان ہمیشہ اپنے اعمال و کردار کے بارے میں بد گمانی سے کام لے اور اپنا احتساب کرتا رہے تو وہ کبھی بھی دوسروں کے بارے میں بد گمانی کا شکار نہیں ہوگا۔ دینی پیشواؤں کے فرامین میں اپنے

---

[۱]۔ بحار الانوار جلد ۲۷ صفحہ ۲۰۱

نفس کے بارے میں بدگمانی اور اپنے احتساب کو مومنین کی ایک علامت قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھنا

دوسروں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا، اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ جاننا اور اپنے دینی بھائیوں کے عمل کو ممکنہ طور پر سب سے اچھے فرض اور احتمال پر محمول کرنا دین اسلام کے احکامات کا ایک حصہ ہے۔

بنابریں مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے بھائی کے عمل و کردار کو اچھے الفاظ میں تعبیر کرے۔ البتہ اگر کوئی ثبوت اس کے خلاف ہو تو پھر الگ بات ہے۔

بلاشبہ دوسروں کا احترام اور ان کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا انسانوں کے باہمی تعلقات کی تقویت کے سلسلے میں عمومی اعتماد پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

۳۔ دوسروں کے بارے میں بدگمانی سے بے اعتنائی

بدگمانی اور منفی سوچ کے برے اثرات پر توجہ دینا اور اس وقت تک دوسروں کے ظاہری کردار اور ان کی باتوں پر اعتماد کرنا جب تک اس کا برعکس ثابت نہ ہو جائے۔

۴۔ بدگمانی کے مصادیق کے بارے میں غور و فکر کرنا

دوسروں کی گفتار اور ان کے کردار کو صحت پر محمول کرنے اور ان کے بارے میں اچھا گمان رکھنے کی امکانی صورتوں کا جائزہ لینا۔

۵۔ دوسروں کے بارے میں بدگمانی رکھنے کی بیماری میں مبتلاء افراد کے ساتھ میل جول سے اجتناب کرنا

بدگمانی میں مبتلا شخص کے وسوسے انسان کے اندر بدگمانی جیسا شیطانی احساس پیدا کرتے ہیں۔

۶۔اسلامی احکامات میں موجود اصالت الصحۃ اور اصالت سوق المسلمین جیسے اصولوں پر توجہ دینا

کہ جو دوسروں کے عمل و گفتار کو صحت پر محمول کرنے کی ضرورت کی عکاسی کرتے ہیں اور ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کی گفتار اور کردار کے بارے میں آسانی کے ساتھ شک و تردد نہیں کرنا چاہئے۔اس طرح کا اچھا گمان رکھنا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ اگر ہم کسی مرد اور عورت کو کسی جگہ تنہائی میں ایک ساتھ دیکھیں تو مذکورہ اصولوں کی بنیاد پر ان کے تعلق کو صحت پر محمول کریں۔

۷۔ادراک کرنے والے اپنے اعضاء پر تسلط

انسان کے اعضاء اس کے ادراک کے ذرائع کے طور پر دوسروں کے بارے میں بدگمانی کے سلسلے میں اہم کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ دوسروں کی باتوں کو چوری چھپے سننا، ان کے امور کی خفیہ نگرانی رکھنا اور چغلی کھانا بدگمانی کے مرض میں مبتلاء ہونے کے علل واسباب میں سے ہے۔

قرآن کریم نے انسان کے بنیادی اعضاء کے بارے میں جواب طلبی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو ہر ایسے خیال، گمان اور نظریے سے منع فرمایا ہے جن کی بنیاد صحیح علم وآگہی پر استوار نہ ہو۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

{ وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ كُلُّ أُوْلـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً }[۱]

''اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جانا کہ روزِ قیامت سماعت، بصارت اور قوتِ قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا''

۸۔ بدگمانی کا راستہ ہموار نہ کرنا

اگر کوئی شخص ایسے اعمال انجام دینے سے گریز کرے جن سے دوسروں کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوتی ہو تو یقینا اس شخص کے

۱۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۶

اس بیماری میں مبتلاء ہونے کے امکانات بہت حد تک کم ہو جائیں گے۔

۶۔غیبت کی ممانعت

"غیبت" کا شمار ان اخلاقی رذائل میں ہوتا ہے جن کو شریعت اسلامیہ میں ترک کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

اسلامی ثقافت میں غیبت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی دوسرے کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہے کہ اگر وہ اس سے آگاہ ہو جائے تو اسے تکلیف پہنچے اور وہ برا محسوس کرے۔ غیبت سے آگاہ ہونے کے ارکان درج ذیل ہیں:

الف: کسی شخص کے بارے میں اس کی عدم موجودگی میں کوئی بات کرنا۔

ب: جو بات کہی گئی ہو ممکن ہے کہ وہ درست یا غلط ہو۔

ج: جس کی غیبت کی گئی ہے وہ غیبت کرنے والے شخص سے ناراض ہو جائے۔

بعض دینی پیشواؤں کے کلام میں آیا ہے کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہو۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ غیبت کے لئے اس شخص کا غیبت سے آگاہ ہونا معیار نہیں ہے جس کی غیبت کی گئی ہو بلکہ اگر وہ بات اس شخص کو بتائی جائے یا وہ خود اس بات سے آگاہ ہو جائے اور پھر ناراض ہو تو یہ غیبت ہی شمار ہو گی۔

پیغمبر اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق غیبت اور تہمت میں یہ فرق ہے کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کے بارے میں ایسی بات کی جائے جو حقیقت رکھتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ بات دوسروں سے چھپا رکھی ہو جب کہ تہمت دوسروں سے متعلق ایسی بات کرنے کو کہتے ہیں جو حقیقت میں نہ ہو۔

یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ غیبت دوسروں کی عدم موجودگی میں "بات کہنے" تک محدود ہے بلکہ غیبت جس طرح بات اور

کلام کے ذریعے کی جا سکتی ہے اسی طرح فعل اور اشارے کنائے کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے۔

قرآن کریم نے تقوی سے عاری ہونے، دوسروں کے نجی امور میں بے جا مداخلت کرنے، بدگمانی[۱] نیز دولت جمع کرنے کے رجحان، دنیا اور اس کے پرفریب مظاہر[۲] کی محبت کو غیبت کے علل و اسباب کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات میں غیبت کو بہت بڑا گناہ اور پست ترین عمل قرار دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس کے ارتکاب منع کیا گیا ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو دوسروں کی غیبت سے ان الفاظ میں منع کیا ہے:

{ وَلاَ يَـغْـتَـب بَـعْـضُـكُـم بَـعْـضـاً أَيُـحِـبُّ أَحَـدُكُـمْ أَن يَـأْكُـلَ لَـحْـمَ

۱۔ سورۂ حجرات آیت ۱۲

۲۔ سورۂ ہمزہ آیات ۱، ۲

أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ }[1]

''اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے یقیناً تم اسے بُرا سمجھوگے تو اللہ سے ڈرو کہ بیشک اللہ بہت بڑا توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان ہے''

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابی ابوذر سے فرمایا کہ اے ابوذر غیبت سے اجتناب کرو کیونکہ غیبت زنا سے بدتر گناہ ہے۔[2]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کی غیبت کرنے کو لوگوں کو ظاہری اسلام اور ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہونے کی علامت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

" جھوٹا ہے وہ شخص جو گمان کرتا ہے کہ حلال زادہ ہے حالانکہ وہ غیبت کے ذریعے لوگوں کا گوشت کھاتا ہے۔"

---

[1]۔ سورۂ حجرات آیت ۱۲

[2]۔ وسائل الشیعہ ج۸ صفحہ ۵۵

قرآن کریم کے نزدیک دوسروں کی غیبت درحقیقت ان کی پرائیویسی کی پامالی اور ان کی عزت وآبرو کے منافی اقدام ہے خاص طور پر اس بات کے پیش نظر کہ یہ مذموم اور ناپسندیدہ عمل دوسروں کی عدم موجودگی میں اس طرح انجام پاتا ہے کہ ان کو اپنی صفائی میں کچھ کہنے، اپنی شخصیت وآبرو کا دفاع کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا ہے۔

غیبت جہاں افراد کی شخصیت کی پامالی اور ان کے نجی امور میں بے جا مداخلت شمار ہوتی ہے وہیں انسانوں کی سماجی زندگی میں بھی اس کے بہت ہی تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ غیبت عمومی اعتماد کو، کہ جو معاشرے کی بالیدگی کا سب سے بڑا سرمایہ اور سبب ہے، کمزور کرنے کا سبب بنتی ہے۔

غیبت کے عام ہونے کی صورت میں معاشرے کی معنوی بنیادیں بھی کمزور ہو جاتی ہیں۔ نتیجتاً معاشرے کا اتحاد اور سلامتی نابود ہو جاتی ہے اور معاشرہ اختلافات اور تفرقے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لئے معاشرے کے تمام افراد کا ایک دوسرے کی غیبت

سے منع کیا جانا لوگوں کی پرائیویسی کی حفاظت اور ان کی عزت و آبرو کے تحفظ کے ساتھ ساتھ معاشرے میں عمومی اعتماد کی سلامتی اور اس کے ارتقاء کا بھی ضامن ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص کسی مسلمان مرد یا عورت کی غیبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نمازوں اور روزوں کو قبول نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ جس کی غیبت کی گئی ہو وہ اسے معاف کردے۔"

اس نکتے پر توجہ دینا اہمیت کا حامل ہے کہ معاشرے میں غیبت کی ترویج اور غیبت کرنے والوں کو اس ناپسندیدہ صفت کی ترغیب دینے کا ایک اہم سبب غیبت سننے کا رجحان اور دلچسپی ہے۔ اس لئے غیبت جیسے مذموم عمل کی روک تھام کا ایک مؤثر طریقہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد پر دوسروں کی غیبت کرنے والے کو اپنی زبان کے ذریعے غیبت سے منع کیا جائے، غیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے غیبت سننے میں دلچسپی کا اظہار نہ کیا جائے یا دوسروں کی غیبت کرنے والوں کے ساتھ میل جول ختم کردیا

جائے اور معاشرے میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "آگاہ رہو کہ جو شخص اپنے مومن بھائیوں کی غیبت سننے سے اجتناب کرے گا اور غیبت سے مانع ہوگا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں برائی کے ہزار دروازے اس پر بند کردے گا اور اگر وہ قدرت رکھنے کے باوجود اس کی روک تھام نہیں کرے گا تو اس غیبت کرنے والے کے گناہ سے ستّر گنا زیادہ گناہ اس کے نامہ اعمال میں درج کئے جائیں گے۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کو اس ناپسندیدہ عادت کے ترک کرنے کے سلسلے میں تین چیزوں کی نصیحت کی گئی ہے:

۱۔غیبت کے گناہ سمیت تمام گناہوں سے روکنے کے سب سے اہم ذریعے اور سبب کے طور پر تقوائے الٰہی کی پابندی۔[1]

---

[1]۔ سورۂ حجرات آیت ۱۲

۲۔غیبت، کہ جسے قرآن کریم میں اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے، کی حقیقت کی جانب توجہ دینا اور اس کی شناخت حاصل کرنا۔

۳۔اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے اور غیبت سمیت انسان کے تمام اعمال و کردار حتی افکار کی بابت اس کے آگاہ ہونے کی جانب متوجہ ہونا۔[۱]

دین اسلام میں بعض مقامات پر دوسروں کی غیبت کو جائز بلکہ لازمی قرار دیا گیا ہے اور ان مواقع پر غیبت کو مستثنیٰ جانا گیا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات درج ذیل ہیں:

۱۔ اپنے حق یا انصاف کے حصول کے لئے ظالم کی غیبت کرنا اور اس کے ظلم کو بیان کرنا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

" صاحب حق اور جس کا حق ضائع ہوا ہے وہ بات کر سکتا ہے چاہے اس کی بات اس کا حق ضائع کرنے والے کی غیبت ہی کیوں نہ ہو۔"

---

[۱]۔ سورۂ نساء آیت ۱۴۸

۲۔گناہ گار کی اصلاح اور اسے گمراہی کے راستے سے ہدایت اور کامیابی کے راستے پر واپس لانے کی نیت سے اس کی غیبت کرنا بشرطیکہ ایسا کرنا ضروری ہو۔

۳۔ علانیہ طور پر فسق و فجور کا ارتکاب کرنے اور کھلے بندوں فسق و فجور کے ارتکاب کی شہرت رکھنے والے کی غیبت کرنا۔

۴۔ عدالت میں گواہی دینے اور حق کی برقراری کے مقصد سے کسی کی غیبت کرنا۔

۵۔فتوی لینے یا مشورہ کرنے کے لئے کسی کی غیبت کرنا بشرطیکہ ایسا کرنا ضروری ہو۔

۶۔ کسی شخص کی ایسی چیز کو بیان کرنا جو ظاہر ہو (مثلاً عجلت پسندی کی صفت) اور دوسرے اس سے آگاہ ہوں تو اسے بیان کرنا اس شخص کی غیبت کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

۷۔ ہتک عزت کی ممانعت

شریعت اسلامیہ کے نزدیک انسان کی عزت اس کے انسانی تشخص کی حیات کا سرمایہ ہے۔ صاحب ایمان شخص کو اللہ تعالیٰ

کے ہاں وہ خاص قدر و منزلت حاصل ہے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

{إِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا}[۱]

"بیشک اللہ صاحبانِ ایمان کا دفاع کرتا ہے"

تو ایسی حالت میں کسی شخص میں یہ جرات کس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ اس فرد کی ساکھ کو نقصان پہنچائے، اس کے راز کو فاش کرے، اس کے عیوب کو برملا کرے، اس پر تہمت لگائے اور اس کی عزت کے ساتھ کھیلے جس کا واحد محافظ اللہ تعالیٰ ہے؟

صاحب ایمان شخص کی عزت و آبرو اس حد تک محترم ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اسے کعبے سے بھی زیادہ محترم قرار دیا ہے۔ بلا شبہ دوسروں کے احترام اور عزت کی حفاظت کو اسلام میں اس حد تک محترم جانا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے آخری حج سے

۱۔ سورۂ حج، آیت ۳۸

واپسی کے موقع پر حجۃ الوداع کے خطبے کے دوران مسلمانوں کے جم غفیر کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

" اے لوگو! جس طرح یہ دن (یعنی حج کے ایام) اور یہ شہر (یعنی مکہ مکرمہ) محترم ہے اسی طرح تمہارا خون اور تمہاری عزت بھی محترم ہے۔ تم کو ایک دوسرے کا خون بہانے کا حق حاصل نہیں ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کرلو۔"

جو شخص حدود الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرتا ہے اس کی عزت و آبرو اس حد تک اہمیت کی حامل ہے کہ پروردگار عالم اس کی غلطیوں اور خطاؤں کو اپنے فرشتوں سے بھی چھپا کر رکھے گا اور اسے دوسروں کے ہاں عزت عطا کرے گا۔

روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے پروردگار عالم سے دعا کی کہ قیامت کے دن آپ کی امت کا حساب وکتاب آپ کے سپرد کر دے تاکہ اگر اس امت کے لوگوں نے خطائیں کی ہوں تو دوسرے انبیاء کے نزدیک وہ رسوانہ ہوں۔ پیغمبر اکرم ﷺ کو

جواب دیا گیا: "میں آپ کی امت کا حساب وکتاب اپنے ذمے لوں گا تاکہ ان لوگوں کی خطاؤں سے آپ بھی آگاہ نہ ہوں۔"

دین اسلام اس طرح صاحب ایمان فرد کی عزت و آبرو کا تحفظ کرتا اور انسانی تشخص اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں دوسروں کی حیثیت و آبرو کا دفاع اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ قدر و منزلت کا حامل ہے اور جو شخص دوسروں کی عزت و آبرو کا دفاع کرتا ہے وہ پروردگار کے یہاں اجر و ثواب پاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

" جو شخص اپنے مومن بھائی کو رسوا ہونے سے بچائے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔"

پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

"جو شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کا دفاع کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ اسے جہنم سے محفوظ رکھے۔"

پیغمبر اکرم ﷺ کے جانشین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی عزت کی قربانی دے کر دوسرے کی عزت و آبرو کی پاسداری کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا ہے:

"تم اپنا مال اسے عطا کرو جس نے تمہارے لئے اپنی عزت داؤ پر لگا دی ہے کیونکہ کوئی چیز بھی عزت افزائی کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی ہے۔"

شریعت اسلامیہ میں مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانا بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "ہر مسلمان کی آبرو، مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے حتی کہ بعض مواقع پر جان و مال سے ہاتھ دھویا جاسکتا ہے تاکہ ایک مومن کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا جاسکے۔"

اس نکتے پر توجہ دینا اہمیت کا حامل ہے کہ انسانوں کا جہاں یہ فرض ہے کہ وہ دوسروں کی عزت وآبرو کی حفاظت کریں وہیں ان کو ہمیشہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کی کوشش بھی کرنی چاہئے۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے نزدیک نہ صرف کسی کو دوسروں کی عزت و آبرو کے ساتھ کھیلنے کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ اپنی شخصیت کی تذلیل کا حق بھی حاصل نہیں ہے اور ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ ایسے ہر کام اور اقدام سے اجتناب کرے جو دوسروں کے نزدیک اس کی انسانی کرامت اور قدر و منزلت کم ہونے کا موجب ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی عزت و آبرو کے تحفظ کے بارے میں فرمایا ہے:

" تمہاری عزت و آبرو تمہاری پیشانی سے وابستہ ہے اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے وہ دھیرے دھیرے ختم ہوجاتی ہے اس لئے تم یہ دیکھو کہ تم اپنی عزت کس کے پاس گنوا رہے ہو۔"

پروردگار عالم نے بھی اپنی انسانی کرامت و قدر و منزلت کی حفاظت کی کوشش کرنے والے انسانوں کے لئے اخروی پاداش قرار دی ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: " انسان جس چیز

کے ذریعے اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرتا ہے اسے اس شخص کے لئے بطور صدقہ لکھ لیا جاتا ہے۔"

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ انسان کی عزت وآبرو اس کے انسانی تشخص کے اعتبار سے اس کی پرائیویسی کا ایک اہم حصہ شمار ہوتی ہے اور اسلام کے کریمنل لاء کے مطابق اس کی پامالی بڑے گناہوں حتی اپنے محارم کے ساتھ زنا کے زمرے میں شامل ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والے کو دنیا میں سزا کا مستحق قرار دینے کے علاوہ ایک مسلمان کی ہتک عزت کرنے کے ذریعے خدا کے ساتھ اعلان جنگ کرنے کی حیثیت سے اس کے ساتھ قیامت میں دردناک عذاب کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔

دین اسلام نے انسانوں کی عزت وآبرو کے احترام کی حفاظت کو اس لئے اہمیت دی ہے کہ دوسروں کی عزت وآبرو کی پامالی ان کے نجی امور میں مداخلت کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے جو خود اسی شخص کے منحرف ہونے پر منتج ہوتی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ انسان کی کفر سے قریب تر ہونے کی حالت وہ ہوتی ہے جب

وہ کسی کا دینی بھائی ہو لیکن اس کی غلطیوں کو گنتا رہے تاکہ ان کے ذریعے سے اس کی سرزنش کر سکے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی مسلمان کی ہتک عزت کرنے والے کے ایمان اور عقائد پر مرتب ہونے والے منفی اثرات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"جب کوئی مومن اپنے دینی بھائی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کا ایمان اسی طرح تحلیل اور ضائع ہو جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں تحلیل ہو جاتا ہے۔"

۸۔ چغل خوری کی ممانعت

نمیمہ اور چغل خوری ایک ایسی اخلاقی برائی ہے جس کا نتیجہ افراد کے راز فاش ہونے اور ان کی پرائیویسی کی پامالی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اور اسلام نے اس سے اجتناب کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔

لفظ نمیمہ کے معنی کسی شخص کے بارے میں ایسی بات بتانا ہے کہ جس میں اس شخص کے عیب یا نقص کے ظاہر اور آشکار ہونے کا پہلو نکلتا ہو کہ اگر اس شخص کو پتہ چل جائے تو جو بات اس کے بارے میں بیان کی گئی ہو اس سے اسے نفرت ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ چغل خور شخص ایسی بات بتاتا ہے جو کسی دوسرے نے مخاطب کے بارے میں کہی ہوتی ہے حالانکہ جس نے یہ بات کہی ہے اس کی جانب سے اسے کسی دوسرے سے بیان کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ چغلی زبان کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور تحریری طور پر بھی ۔ حتی اشارے کنائے جیسے دوسرے طریقوں سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ نمیمہ یا چغل خوری کس نیت اور مقصد کے ساتھ کی گئی ہے۔ مقصد چاہے اس شخص کی شخصیت کو خراب کرنا ہو جس کی چغلی کھائی گئی ہے یا مقصد مذاق اور توہین ہو یا مخاطب کی خوشنودی مراد ہو یا دوسرے شخص تک خبر پہنچانا مقصود ہو یا اس کے امور کے بارے میں تجسّس کے مقصد سے کھائی گئی ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چغل خوروں کو سارے لوگوں سے زیادہ برا قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"چغل خور بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے۔"[۱]

قرآن کریم کے نزدیک چغل خوری اس چیز کو کاٹ دیتی ہے جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

{وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ}[۲]

"اور جن سے تعلقات کا حکم دیا گیا ہے ان سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لئے لعنت اور بدترین گھر ہے"

چغل خوری کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانوں کے درمیان پائی جانے والی الفت و محبت و نفرت اور دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے

---

[۱] الترغیب جلد ۳ صفحہ ۴۹۶، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۱

[۲] سورۂ رعد آیت ۲۵

اور معاشرے میں لوگوں کا اتحاد ان کے درمیان اختلافات و تفرقے میں بدل جاتا ہے۔

دینی پیشواؤں کے فرامین میں چغلی کو جادو سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے ذریعے دوست دوستوں سے جدا ہو جاتے ہیں اور رشتہ داروں کے درمیان نفرت پھیل جاتی ہے۔ چغلی ان انسانوں کے درمیان دشمنی اور نفاق کے بیج بو دیتی ہے جو اس سے پہلے متحد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ چغل خوری خون بہائے جانے، گھرانوں کی تباہی اور اشخاص کے راز فاش ہونے کا موجب بنتی ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"جو شخص لوگوں کے درمیان چغلی کھانے کا عادی بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قبر پر بھڑکتی ہوئی آگ مسلط کر دے گا۔"[۱]

حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے چغلی کھانے کے تباہ کن اور ناقابل تلافی اثرات کے پیش نظر اسے حرام قرار دیا اور

۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۳

اسے گناہان کبیرہ میں سے شمار کیا ہے اور چغل خور کو عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"میں نے بہشت کے دروازے پر کندہ دیکھا ہے تھا کہ بہشت چغلخور پر حرام ہے۔"[1]

اسلامی تعلیمات میں چغلی کھانے جیسے مذموم اور تباہ کن عمل کا قلع قمع کئے جانے کے لئے اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ مسلمان چغل خور کی باتوں سے بے اعتنائی برتیں اور اس کی باتوں کو جھوٹ سمجھیں چاہے وہ درست ہوں یا غلط۔ تاکہ وہ اپنے اس اقدام کے ذریعے چغل خوروں کو اس عمل سے باز رکھ سکیں۔ قرآن کریم نے چغل خوروں کی پیروی سے ان الفاظ میں منع فرمایا ہے:

{ وَلاَ تُطِعْ كُلَّ حَلاَّفٍ مَهِينٍ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ }[2]

---

[1]۔ ارشاد القلوب حدیث نمبر ۱۳۹۱

[2]۔ سورۂ قلم آیات نمبر ۱۱، ۱۰

"اور خبردار آپ کسی بھی مسلسل قسم کھانے والے ذلیل، عیب جو اور اعلیٰ درجہ کے چغلخور کی اطاعت نہ کریں"

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت بھی ایسی ہی تھی۔ روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

" میرے اصحاب میں سے کوئی بھی دوسرے کے بارے میں مجھ تک کوئی بات نہ پہنچائے کیونکہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب میں باہر آؤں تو میرا دل لوگوں کی باتوں سے خالی ہو۔"[1]

پیغمبر اکرم ﷺ کی مناہی میں آیا ہے کہ آپ مسلمانوں کو چغلی کھانے اور چغلی سننے سے منع فرمایا کرتے تھے۔[2]

۹۔ استراق سمع کی ممانعت

استراق سرقت کا مصدر ہے۔ لغت میں اس کے معنی چوری کرنے کے ہیں۔ اس کے اصطلاحی معنی کوئی کام چوری چھپے انجام

---

[1]۔ ریاض الصالحین صفحہ ۵۸۵

[2]۔ سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۶۱۳

دینے کے ہیں۔ استراق سمع دوسروں کی باتیں چوری چھپے سننے کے معنوں میں ہے۔ اس میں غیر قانونی طور پر اور چوری چھپے دوسروں کی باتیں سننا اور ان کو ریکارڈ کرنا اور ٹیلی فونی گفتگو ٹیپ کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ عصر حاضر میں دوسروں کی باتیں چوری چھپے سننے کے طریقے درج ذیل ہیں۔

لینڈ لائن ٹیلی فون، موبائل فون، وائرلیس، کمپیوٹر، سیٹیلائٹ، انٹرنیٹ اور دوسرے جدید ترین آلات اور ٹیکنالوجی کے ذریعے دوسروں کے مکالمات سننا۔

اسلامی شریعت میں دوسروں کی باتوں کو چوری چھپے سننا منع اور حرام ہے۔ دوسروں کی باتوں کو چوری چھپے سننے اور اس طرح دوسروں کے رازوں سے آگاہی حاصل کرنے والا شخص ان کے نجی امور میں بے جا مداخلت کا مرتکب ہوتا ہے اور قرآن کریم کی صراحت کے مطابق اس کا یہ عمل حرام اور گناہ ہے۔

قرآن کریم نے انسان کے بدن کے اعضاء سے باز پرس کئے جانے کے بارے میں فرمایا ہے:

{ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ كُلُّ أُوْلَـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً }[1]

"روزِ قیامت سماعت، بصارت اور قوتِ قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا"

پیغمبر اکرم ﷺ نے دوسروں کی باتیں چوری چھپے سننے کے بارے میں فرمایا ہے:

"انسان کے بدن کے ہر عضو کے لئے زنا میں سے ایک حصہ ہے اور کان کا زنا دوسروں کی باتیں چوری سے سننے سے عبارت ہے"

اسلامی احکام میں دوسروں کی باتیں چوری چھپے سننے والے کے لئے جہاں اس دنیا میں سزا مقرر کی گئی ہے وہیں قیامت کے دن بھی اسے سزا ملے گی۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

" جو شخص دوسروں کی اجازت اور مرضی کے بغیر چوری چھپے ان کی باتوں کو سنتا ہے یا اگر کوئی شخص دوسروں کی باتوں کو چوری سے سننے اور وہ لوگ اس شخص سے بیزاری کا اظہار اور اس

---

[1] سورۂ اسراء آیت ۳۶

سے دوری اختیار کریں تو اس عمل کی وجہ سے قیامت کے دن اس شخص کے کانوں میں پگھلایا ہوا تانبا ڈالا جائے گا۔"[1]

۱۰۔ استراق بصر کی ممانعت

استراق بصر کے معنی دوسروں کی نجی اشیاء اور امور کو ناجائز اور خفیہ طور پر دیکھنے کے ہیں جب کہ وہ ان کے دیکھے جانے پر راضی نہ ہوں اور اسی وجہ سے انھوں نے ان اشیاء کو دوسروں سے پوشیدہ رکھا ہوا ہوتا ہے چاہے یہ چیزیں ایسی ہوں جن کو عموما نجی اشیاء سمجھا جاتا ہے یا یہ کہ کسی نے ان کو خاص طور پر دوسروں سے پردے میں رکھا ہو۔

اسلامی شریعت میں دوسروں کی چیزوں کو چوری سے دیکھنے کو ایک ناپسندیدہ عمل اور عظیم گناہ سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو دوسروں کی ذاتی زندگی میں جھانکنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے مرتکب کو سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] ۔ سجستانی جلد ۲ صفحہ ۸۸۳

قرآن کریم میں آنکھ کی خیانت کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

{يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ}[1]

"وہ خدا نگاہوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور دلوں کے چھپے ہوئے رازوں سے بھی باخبر ہے"۔

بلاشبہ استراق بصر اور آنکھوں کی خیانت کا ایک واضح مصداق دوسروں کی ذاتی زندگی میں جھانکنا ہے۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں اور نگاہوں کو اپنے کنٹرول میں رکھیں۔

{قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يُغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ . وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ}

---

[1] سورۂ غافر آیت ۱۹

''اور آپ مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہی زیادہ پاکیزہ بات ہے اور بے شک اللہ ان کے کاروبار سے خوب باخبر ہے۔ اور مومنات سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں''

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظر کے انحراف کو ایک طرح کا زنا قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

" انسان کے ہر عضو کے لئے زنا میں سے ایک حصہ ہے اور آنکھ کا زنا (بری) نگاہ ڈالنا ہے"

انسان کی روحانی سلامتی میں نظر ڈالنے اور دیکھنے کا کردار اس حد تک اہم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے آنکھوں کو شیطان کی کمین گاہ قرار دیا ہے کیونکہ آنکھوں پر کنٹرول نہ ہونے کی صورت میں انسان کی گمراہی اور اس پر شیطان کے تسلط کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کی تحریروں کو

ان کی اجازت کے بغیر اور چوری سے دیکھنے کے بارے میں فرمایا ہے:

"اپنے دینی بھائی کے خط کو دیکھنے والے شخص کی مثال ایسی ہے جس نے اپنی شرمگاہ پر نظر ڈالی ہو۔"[1]

اسلام لوگوں کی نجی زندگی اور پرائیویسی کی حفاظت کے لئے جس قدر اہمیت کا قائل ہے اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ انسان اخلاقی و معنوی انحراف اور اس بیماری سے بچانے والے علل و اسباب کو پہچاننے اور اس بیماری میں مبتلاء ہونے کے علل واسباب کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرے مثلاً دوسرے کے گھر یا خلوت کے مقام میں داخل ہونے سے قبل اجازت حاصل کرنا استراق بصر اور لوگوں کی نجی زندگی میں تاک جھانک سے بچنے کا ایک موثر ذریعہ شمار ہوتا ہے۔

[1] سفینۃ البحار

۱۱۔ برا بھلا کہنے اور گالیاں بکنے کی ممانعت

"سبّ" کے معنی دوسروں کو برا بھلا کہنے اور گالیاں دینے کے ہیں۔ اسلامی شریعت میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں غیر مسلموں کو برا بھلا کہنے کی ان الفاظ میں ممانعت کی گئی ہے:

{وَلاَتَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِم مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ}[۱]

"اور خبردار تم لوگ انہیں برا بھلا نہ کہو جن کو یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہیں کہ اس طرح یہ دشمنی میں بغیر سمجھے بوجھے خدا کو برا بھلا کہیں گے ہم نے اسی طرح ہر قوم کے لئے اس کے عمل کو آراستہ کر دیا ہے اس کے بعد سب کی بازگشت پروردگار ہی کی بارگاہ

۱۔ سورۂ انعام آیت ۱۰۸

میں ہے اور وہی سب کو ان کے اعمال کے بارے میں باخبر کرے گا"۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے سبّ اور گالی دینے کو معصیت اور فسق و فجور قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

" مومن کو گالی دینا معصیت، اس کے ساتھ جنگ کرنا کفر اور اس کا گوشت کھانا (یعنی اس کی غیبت کرنا) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور مومن کا مال اسی طرح محترم ہے جس طرح اس کا خون"[1]

اگر کوئی شخص کسی دوسرے فرد کے بارے میں ایسی بات بیان کرے کہ وہ دوسرا فرد اس بات سے آگاہ ہونے کے بعد ناراض اور ملول ہو جائے تو اگر بیان کرنے والے کا ارادہ اس کی توہین نہ ہو تو وہ غیبت کا مرتکب ہوا ہے لیکن اگر اس کا مقصد اس فرد کی توہین ہو تو وہ شخص غیبت کا علاوہ سبّ اور گالیاں بکنے کے گناہ کا بھی مرتکب ہوا ہے اور اسے گناہ گار سمجھا جائے گا۔

---

[1]۔ شیخ حر عاملی۔ وسایل الشیعہ

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام کے نزدیک انسان کی عزت و آبرو اس کی جان اور زندگی کی طرح محترم ہے اور اسے گالیاں بکنا اس کی عزت و آبرو کے حریم پر حملہ اور افراد کی پرائیویسی پر حملے کا واضح مصداق شمار ہوتا ہے۔ دوسروں کو برا بھلا کہنا اس حد تک قابل مذمت گناہ سمجھا جاتا ہے کہ روایات میں اسے برا بھلا کہنے والے کی ہلاکت کا موجب قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"مومن کو برا بھلا کہنا انسان کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتا ہے"[1]

اس کے علاوہ دوسروں کو گالیاں دینے اور برا بھلا کہنے کا عمل اس کے انجام دینے والے کے لئے ناقابل تلافی نقصانات کا سبب بنتا ہے جن میں سے ایک لوگوں کے درمیان دشمنی اور اختلافات کا پیدا ہونا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"لوگوں کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے"

---

[1]۔ شیخ حر عاملی۔ وسایل الشیعہ

قرآن کریم نے بھی صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ دوسروں کو گالیاں دینا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ دوسرے لوگ اپنی جہالت اور نادانی کی بناء پر گالیاں دینے والے کے عقائد پر تنقید کرنے لگیں گے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت میں بھی آیا ہے کہ آپ نے کبھی بھی کسی کو گالی نہیں دی اور برا بھلا نہیں کہا۔ یہ بات مسلمانوں کے ساتھ مختص نہیں تھی بلکہ آپ نے حتی غیر مسلموں کو بھی کبھی برا بھلا نہیں کہا تھا۔

اسلام میں گھرانے کی پرائیویسی

افراد کی پرائیویسی کا ایک اہم مصداق ان کے گھرانے کا حریم ہے۔ گھرانے کا حریم دو اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک جزو گھرانے کی پرائیویسی میں اغیار کی مداخلت کی ممانعت ہے اور دوسرا جزو کا تعلق گھرانے کے ہر فرد کی پرائیویسی کے حق کے ساتھ ہے۔ گھرانے کے افراد میں والدین، میاں بیوی اور اولاد شامل ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو پرائیویسی کا حق حاصل ہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ دوسرے افراد کو کسی بھی گھرانے کے نجی امور میں مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ اسلامی شریعت میں خاندان کو ایک الگ تشخص حاصل ہے اور اسی کی بنیاد پر صرف گھرانے کے افراد کو ہی اس میں دخل دینے کا حق حاصل ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو بھی اس مقدس حریم میں نہ دخل دینے کا حق ہے اور نہ ہی اجازت۔ عصر حاضر میں دنیا کے مختلف معاشروں کو درپیش ایک چیلنج گھرانے کے افراد کی ایک دوسرے کی نسبت پرائیویسی کے حدود ہیں۔

بلاشبہ تمام افراد کو اپنی زندگی کے بعض مواقع پر ایسے لمحات کی ضرورت ہوتی ہے جن میں وہ دوسروں حتی اپنے قریبی ترین افراد سے بھی الگ رہ کر اپنے شخصی امور کے بارے میں غور و فکر کر سکیں اور کوئی بھی ان کی پرائیویسی میں مخل نہ ہو۔ یہ حق گھرانے کے تمام اراکین کو ایک دوسرے کی نسبت بھی حاصل ہے۔

شریعت اسلامیہ میں گھرانے کے تمام افراد کو ایک دوسرے کی نسبت جو حقوق حاصل ہیں وہ معین ہیں اور ہر فرد کی پرائیویسی کا تعین کیا گیا ہے۔

گھرانے میں والدین کی اپنی پرائیویسی ہوتی ہے اور اولاد کا فرض ہے کہ وہ ان کی پرائیویسی کا احترام کریں۔ قرآن کریم نے معینہ اوقات کے دوران والدین کے خلوت کے حق پر زور دیتے ہوئے اولاد پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ ان اوقات میں اپنے والدین سے اجازت لینے کے بعد ان کے پاس جائیں۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں فرمایا ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُم مِنْكُمْ ثَلاثَ مَرّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلاةِ الفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيابَكُمْ مِن الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلاَةِ الْعِشَاءِ ثَلاَثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلاَ عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ

عَلَى بَعْضٍ كَذلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الآيَاتِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ، وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ }[1]

''ایمان والو تمہارے غلام و کنیز اور وہ بچے جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان سب کو چاہئے کہ تمہارے پاس داخل ہونے کے لئے تین اوقات میں اجازت لیں نماز صبح سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب تم کپڑے اتار کر آرام کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین اوقات پردے کے ہیں اس کے بعد تمہارے لئے یا ان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے پاس چکر لگاتے رہیں کہ اللہ اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح کرکے بیان کرتا ہے اور بیشک اللہ ہر شے کا جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے۔ اور جب تمہارے بچے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیں جس طرح

---

[1] سورۂ نور آیات ۵۸،۵۹

پہلے والے اجازت لیا کرتے تھے پروردگار اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیتوں کو واضح کرکے بیان کرتا ہے کہ وہ صاحبِ علم بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے"

والدین کی خلوت گاہ میں اولاد کے داخل ہونے کے آداب کے بیان سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اسلام گھرانے کے افراد کی پرائیویسی اور خلوت کے لئے خاص اہمیت کا قائل ہے۔ خصوصا والدین کی جنسی خلوت گاہ کا خیال رکھے جانے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا والدہ کی خلوت گاہ میں داخل ہونے کے لئے اس کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا ہاں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میرے علاوہ اور کوئی بھی میری والدہ کی خدمت کرنے والا نہیں ہے تو کیا ہر مرتبہ اس کے پاس جانے کے لئے مجھے اس سے اجازت حاصل کرنا ہوگی؟

آپ نے فرمایا ہاں۔ کیا تم اس بات کو دوست رکھتے ہوئے کہ اسے برہنہ حالت میں دیکھو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر ہر مرتبہ اجازت حاصل کرنے کے بعد اس کی خلوت گاہ میں داخل ہوا کرو۔[1]

گھرانے میں عفت و پاکدامنی کے اصول پر عملدر آمد اور اولاد کی صحیح تربیت کے لئے والدین کی جنسی خلوت گاہ کا خیال رکھا جانا ضروری ہے۔ والدین کی جنسی خلوت گاہ کا خیال نہ رکھے جانے کے گھرانے کی پاکدامنی اور عفت پر ناقابل تلافی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جن میں اولاد کا بے موقع اور وقت سے پہلے بالغ ہو جانا اور بالغ ہونے کے بعد اور جوانی کے ایام میں جنسی توازن برقرار نہ رکھنا شامل ہے۔

اسلامی احکام میں شرمگاہ کے پوشیدہ رکھنے کی جو بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور گھرانے کے افراد کی جانب سے اس کے دیکھے جانے کی جو ممانعت کی گئی ہے تو گھرانے کی عفت و پاکدامنی کے

---

[1]۔ جواھر کلام، جلد ۲۶ صفحہ ۲۲ بحوالہ مجمع البیان

سلسلے میں اس کی خاص اہمیت ہے اور اسے ہر گھرانے کا جسمانی حریم سمجھا جاتا ہے۔

والدین کے سونے کے کمرے کا گھرانے کے دوسرے افراد سے الگ ہونا جنسی خلوت کے حریم کے اصول کے طور پر مد نظر رکھا جانا چاہئے۔اس اقدام کا مقصد، گھرانے کے افراد کی عمروں سے قطع نظر، والدین کے جنسی حریم تک ان کی رسائی نہ ہونا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

" اللہ کی قسم اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرے اور اس کمرے میں کوئی بیدار کمسن بچہ ان دونوں کو اس حالت میں دیکھ لے یا ان کی باتیں سن لے یا ان کی سانسوں کی آواز سن لے تو وہ بچہ ہر گز نجات نہیں پا سکتا اور ممکن ہے کہ وہ زنا کے گناہ سے آلودہ ہو جائے۔

شریعت اسلامیہ کے نزدیک والدین کے بستر گھرانے کے دوسرے افراد سے الگ کیئے جانے کی ضرورت کے علاوہ اولاد کو بے

موقع جنسی امور میں مبتلاء ہونے سے بچانے کے لئے اولاد کے بستروں کا ایک دوسرے سے الگ کیا جانا خاص اہمیت کا حامل ہے۔

متعدد احادیث نبوی میں اس امر کی تاکید کی گئ ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں فرمایا ہے:

"اٹھارہ برس کی عمر میں ایک بیٹے کا بستر دوسرے بیٹے کے بستر سے، بیٹے کا بستر بیٹی کے بستر سے اور ایک بیٹی کا بستر دوسری بیٹی کے بستر سے الگ کر دینا چاہیئے۔"

جب کہ بعض دوسری روایات کے مطابق یہ کام اس سے کم تر عمر میں ہی انجام دے دینا چاہیئے۔[1]

گھرانے کے افراد کی پرائیویسی کا ایک مصداق میاں بیوی کی ایک دوسرے کی نسبت پرائیویسی ہے۔

بعض افراد اس غلط تصور میں مبتلاء ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان جنسی اور عاطفت پر مبنی قریبی تعلقات اور ان کے ایک دوسرے کے امور سے آگاہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۵ صفحہ ۲۸

کی اپنی کوئی پرائیویسی نہیں ہے اور اس طرح کی پرائیویسی ان کی ازدواجی زندگی میں خلل ڈالنے اور ان کے درمیان فاصلہ پیدا ہونے کا سبب بن سکتی ہے جب کہ اس بات پر توجہ دینی چاہئے کہ انسان ذاتی اعتبار سے ایک آزاد اور خود مختار مخلوق ہے۔ اس لئے میاں بیوی کو بھی ازدواجی زندگی میں دوسرے کی رائے کا احترام کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو اس مسلّم حق اور خصوصاً ایسے امور کے بارے میں کئے جانے والے فیصلوں میں شرکت سے محروم کرے جن کا تعلق اس کی ذات سے ہو۔

بلاشبہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کی جانب سے اپنے دوسرے ساتھی کے جذبات، احساسات اور افکار و نظریات کا نظر انداز کیا جانا اور اس کی پرائیویسی میں دخل دینا ازدواجی زندگی میں مشکلات پیدا ہونے کی ایک اہم وجہ ہے۔

اسلام نے تمام انسانوں کو تاکید کے ساتھ یہ نصیحت کی ہے کہ وہ اکیلے میں غور و فکر کیا کریں، دوسروں کی عدم موجودگی میں اور

بالکل تنہائی کے عالم میں اپنے افعال اور احوال کا احتساب کریں، اپنے نقائص اور خوبیوں سے آگاہی حاصل کریں اور اپنے اعمال کی اصلاح کے ذریعے ترقی و کمال کے راستے پر گامزن ہو جائیں۔

دین اسلام کی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کی خوشنودی حاصل کرے، دونوں ایک دوسرے کی شخصیت کے پہلو اور ضروریات کو سمجھیں اور باہمی ادراک کی کوشش کریں۔

البتہ اس سلسلے میں اعتدال کی پابندی کرنا یعنی افراط و تفریط سے گریز کرنا اور گھرانے کی بقاء اور اس کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی جانب توجہ دینا ایک لازمی امر ہے۔ گھرانے کے افراد کی پرائیویسی کی حفاظت پورے خاندان یا ایک دوسرے کے سلسلے میں ان کے احساس ذمہ داری میں کمی نیز ایک دوسرے کے سلسلے میں ان کی جو ذمہ داریاں مقرر کی گئی ہیں ان سے مانع ہونے اور گھرانے کی بنیادیں کمزور اور متزلزل ہونے کا سبب نہیں بننی چاہئے۔

پرائیویسی کی حفاظت کے سلسلے میں اسلامی حکومت کی ذمہ داری

اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری اس انداز سے انفرادی اور اجتماعی امن اور نظم و نسق برقرار کرنا ہے کہ اسلامی معاشرے کے تمام افراد کسی طرح کے خوف، ڈر اور تشویش کے بغیر اور سکون کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

لوگوں کی پرائیویسی اور حریم و خلوت (کہ جس میں گھر کی چار دیواری، گھرانے کی پرائیویسی، کام کاج اور ڈیوٹی کی جگہ، مال و دولت، رابطے، کمیونی کیشن اور تعاون وغیرہ شامل ہیں) کی حفاظت اور دوسروں کو ان امور میں دخل اندازی سے روکنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ بنابریں اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس پرائیویسی کی حفاظت کے لئے ضروری اقدامات انجام دے۔ لوگوں کی پرائیویسی کی پامالی یا تو دوسرے افراد کی بے جا مداخلت کی بناء پر ہوتی ہے یا حکومتی اہلکاروں کی دخل اندازی کی وجہ سے اور

بعض اوقات حکومتی پالیسیاں شہریوں کی پرائیویسی کی پامالی کا سبب بنتی ہیں۔

مختلف ٹیکنالوجیز اور سائنسز خاص طور پر کمیونی کیشن اور انفارمیشن میں ہونے والی ترقی و پیشرفت معاشرے کے افراد کے نجی امور میں بے جا مداخلت میں آسانیاں پیدا کر سکتی ہے اور اس سے لوگوں کے ذاتی امور میں دوسروں کی غیر قانونی رسائی کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔

بلاشبہ جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے عدم تحفظ کا احساس، تشویش و پریشانی اور افراد کی ذاتی زندگی کے غیر محفوظ ہونے کی بناء پر پیدا ہونے والی بد گمانی انسانی زندگی کی بالیدگی اور ترقی و کمال کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ شمار ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد کی پرائیویسی مؤثّر اور کافی حمایت کرنے کے علاوہ ضروری قانون سازی کے ذریعے بھی ان کی خلوت گاہ کو حکومتی اہلکاروں کی بے جا مداخلت سے، کہ جو ممکن ہے کہ اپنے اختیارات کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے افراد کی پرائیویسی کو پامال

کریں، محفوظ رکھے اور افراد کی پرائیویسی میں حکومت کی قانونی مداخلت کے حدود کا واضح تعین کرنے کے ذریعے معاشرے کے افراد کے فطری حقوق سلب کئے جانے کے سدراہ ہو اور اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہنے والے شہریوں کی جسمانی، روحانی اور نفسیاتی سلامتی کی ضروریات پوری کرے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب مالک اشتر کو اپنا گورنر بنا کر مصر روانہ کیا تو حکومتی منشور کے طور پر ان کو جو عہد نامہ دیا اس میں حکومتی اہلکاروں کی تقرری کے سلسلے میں ان کی وفاداری، صداقت اور ان کے نیک کردار ہونے کی تاکید فرمائی اور ان کے اعمال کی خفیہ نگرانی کے لئے افراد معین کرنے کو ضروری قرار دیا تاکہ حکومتی اہلکار اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال نہ کریں اور وہ امانت اور اخلاقی اصولوں کی پابندی کے ذریعے شہریوں کی پرائیویسی اور ان کے حقوق کی پامالی سے گریز کریں۔[1]

---

[1] ۔ نہج البلاغۃ، مکتوب نمبر ۳۱

اسلامی انسانی حقوق کے اعلامئے میں بھی افراد کے شخصی حقوق سے متعلق اسلامی حکومت کی ذمہ داری کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر انسان کو اپنی نجی زندگی کے امور، جائے سکونت، گھرانے، کمیونی کیشن اور اپنے مال کے سلسلے میں پوری آزادی کا حق حاصل ہے۔ کسی بھی انسان کی نگرانی اور اس کی ہتک عزت جائز نہیں ہے۔ حکومت اور معاشرے کا فرض ہے کہ وہ شرعی احکام کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی میں طاقت کے بل بوتے پر کی جانے والی ہر طرح کی مداخلت کے مقابلے میں اس کا دفاع کرے۔[۱]

واضح سی بات ہے کہ اسلامی حکومت اس طرح کی حمایت کے لئے رغبت دلانے اور روک تھام کرنے والے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے ذرائع کے علاوہ افراد کی پرائیویسی کی پامالی کا سد باب کرنے کے لئے کریمنل قوانین بنا کر طاقت کا استعمال بھی کر سکتی ہے۔

۱۔ آرٹیکل نمبر ۹ دفعہ ج

یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ افراد کی پرائیویسی کی حفاظت سے متعلق اسلامی حکومت کے اقدامات سے جہاں ان کے انفرادی حقوق کا تحفظ ہوتا ہے وہیں یہ اقدامات امن عامہ کا سبب بھی بنتے ہیں اور معاشرے کی نفسیاتی سلامتی کی تقویت میں مدد پہنچاتے ہیں۔

نجی امور میں جائز مداخلت

جیساکہ تفصیل کے ساتھ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ افراد کی پرائیویسی کی حفاظت اور اس میں بے جا مداخلت سے اجتناب ہر فرد کا مسلّم اور نا قابل انکار حق نیز معاشرے کے تمام افراد اور حکومتوں کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ اصول قابل استثناء نہ ہو بلکہ بعض معین مواقع پر افراد کے نجی امور میں مداخلت کو جائز اور قانونی قرار دیا گیا ہے۔ البتہ اس طرح کے مستثنیٰ کیۓ گئے مواقع کی تعداد بہت کم ہے اور اس طرح کے استثناء کو افراد کے نجی امور میں مداخلت کا دائرہ بڑھانے اور ان کی پرائیویسی کے پامال کے حربے کے طور پر استعمال نہیں کیا جانا چاہئے۔

درج ذیل مقامات پر دوسروں کے نجی امور میں مداخلت جائز ہے:

ا۔ مفاد عامہ اور اجتماعی حقوق کے ساتھ ٹکراؤ

جب کسی شخص کی پرائیویسی اور اجتماعی حقوق میں ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس صورت میں بلاشبہ مفاد عامہ کو ترجیح حاصل ہونے کی وجہ سے اجتماعی حقوق کو افراد کی پرائیویسی پر مقدم جانا جائے گا۔

یہ خیال باطل ہے کہ نجی امور اور عمومی امور کے درمیان ایک ایسی حد فاصل مقرر کی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص خلوت میں ایسا عمل انجام دیتا ہے جو نجی اور ذاتی اوصاف کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر عمومی پہلو بھی رکھتا ہے اور مفاد عامہ، قومی سلامتی یا اس معاشرے کی اقدار اور ثقافتی تشخص سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے مثلاً یہ کہ جنگ کے زمانے میں کوئی شخص اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے شعوری یا غیر ارادی طور پر اپنے ملک کی جاسوسی کرے اور دشمنوں کو اطلاعات فراہم کرے۔ یا اپنے گھر کے احاطے میں ایسے منظّم

اقدامات انجام دے جو قومی سلامتی کے لئے خطرناک ہوں تو ایسی صورت میں حکومت کو مفاد عامہ کے تحفظ کے مقصد سے اس طرح کے افراد کے نجی امور میں مداخلت کرنے، اجتماعی مفادات کے خطرے میں پڑنے کی روک تھام اور سماج کی سیکورٹی کے لئے اپنے فرض پر عمل کرنے کی اجازت حاصل ہے۔

۲۔ دوسروں کے حقوق کے ساتھ ٹکراؤ

اس بات پر توجہ رہنی چاہئے کہ سماجی زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بعض اوقات افراد اپنے گھر کی چار دیواری میں رہتے ہوئے اپنے انفرادی حقوق کے مطابق عمل کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا یہ عمل دوسروں کے حقوق سے متصادم ہوتا ہے اس لئے اس تصادم کے اثبات کے لئے محکم دلائل کے حصول یا اس تصادم کے جاری رہنے، کہ جس کی وجہ سے دوسروں کے حقوق پامال ہوتے ہیں، کی روک تھام کے لئے فرد کے نجی امور میں قانون کے دائرے میں اور اور متعلقہ حکام کی اجازت کے ساتھ دخل دینا ایک

اجتماعی ضرورت نیز افراد کے حقوق کو ایک دوسرے پر غلط طور پر مقدم نہ رکھے جانے کے اصول کے مطابق معقول اور جائز ہے۔

۳۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بعض اوقات کسی ایک شخص کے عمل کا اثر اس کے نجی امور کے دائرہ سے آگے نکل جاتا ہے اور اس کے اثرات معاشرے یا دوسرے افراد کے حقوق پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ جن میں بعض منفی نتائج معاشرے کے اعتقادی یا عرفی معیارات سے تضاد رکھتے ہیں اور ان نتائج سے غفلت معاشرے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا سبب بنتی ہے۔

اس بات کی جانب بھی توجہ رہنی چاہئے کہ یہ امر اسلامی معاشروں کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ تمام معاشروں میں اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ افراد کے ذاتی اقدامات، کہ جن میں کردار اور گفتار بھی شامل ہیں، ان کے شخصی اور ذاتی حدود سے آگے نکل جاتے ہیں اور معاشرے کی ثقافتی اور اخلاقی اقدار کے پھیلاؤ اور تحفظ کے سلسلے میں ان کے مثبت یا منفی اثرات مرتب

ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ایک کشتی پر سوار افراد کی سی ہے۔ اگر ان میں سے ایک شخص کشتی میں سوراخ کردے تو کشتی میں سوار تمام افراد کے ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ ایسے موقع پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تمام شرائط اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے عمومی نگرانی کے اصول کی حیثیت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عملدرآمد کرتے ہوئے اس غلط اقدام کی روک تھام کرنی چاہئے۔

واضح سی بات ہے کہ ایک بڑی مصلحت اور فائدے کے پیش نظر اور معاشرے کے حقوق کی پامالی کی روک تھام کے مقصد سے ظاہر کیا جانے والا ردعمل ایک مسلمان کے نجی امور میں بے جا مداخلت شمار نہیں ہوتی ہے چاہے اس کے اسباب اور پہلوؤں سے آگہی کے لئے ضرورت کے مطابق نجی امور کی چھان بین کرنی پڑے یا مثلاً اس کے مقابلے کے لئے غیبت کا ارتکاب ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اس بات کی جانب بھی توجہ رہنی چاہیے کہ مذکورہ صورتوں میں دوسروں کے نجی امور میں مداخلت کرنا درج ذیل امور کے ساتھ مشروط ہے:

الف۔اول یہ کہ کسی بھی شخص کی ذاتی زندگی میں محدودیت صرف ضرورت کے مطابق ہونی چاہیۓ اور اس کا مقصد بھی امن عامہ میں خلل کی روک تھام، معاشرے کی بنیادی اقدار کی حفاظت اور اخلاقی معیارات کی پاسداری سے عبارت ہونا چاہیۓ۔

ب۔دوسری اہم شرط یہ کہ دوسروں کے نجی امور میں مداخلت کے صرف بعض صورتوں میں استثناء کے پیش نظر دوسرے طریقوں سے امن عامہ کا قیام اور سماجی اور اخلاق اقدار کی پاسداری ممکن نہ ہو اور یہ مقصد صرف فرد کی نجی زندگی میں مداخلت کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہو۔

اگر کسی کی نجی زندگی میں مداخلت کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عملدرآمد ہو تو ضروری ہے کہ اس کے لئے بیان شدہ تمام شرائط کو مد نظر رکھا جائے۔ خاص طور پر اس بات کے

پیش نظر کہ افراد کی نجی زندگی میں مداخلت صرف ان مواقع پر جائز ہے جب برائی اور منکر کے ظاہر اور آشکار ہونے کی روک تھام مقصود ہو۔ وگرنہ برائی اور منکر سے آگاہ ہونے کے مقصد سے لوگوں کی ذاتی زندگی میں جھانکنا غیر قانونی ہے اور شرعا بھی ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

د۔ بعض مواقع پر افراد کی ذاتی زندگی میں مداخلت کے بصورت استثناء جائز ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مداخلت کم سے کم ہونی چاہئے اور مذکورہ مواقع کو افراد کی ذاتی زندگی میں جھانکنے کے حربے کے طور پر استعمال نہیں کیا جانا چاہئے۔ وگرنہ ممکن ہے کہ افراد کی ذاتی زندگی میں ضرورت سے زیادہ مداخلت کرنا کسی انسان کی ہتک عزت کا موجب ہو جو کہ بجائے خود گناہ اور منکر ہے۔

لوگوں کی ذاتی زندگی میں ضرورت سے زیادہ مداخلت سے متعلق ہر طرح کے شک کو برطرف کرنے کے لئے درج ذیل امور ضروری ہیں:

۱۔ حکومتوں کو چاہیے کہ جن اصولوں اور اقدار کی پابندی ضروری ہے ان کی تدوین کرکے انھیں عوام کے سامنے پیش کریں تاکہ لوگ ان کی پابندی کے لئے ضروری اقدامات انجام دیں۔

۲۔ ہر طرح کی نگرانی معین شدہ قانونی اور شرعی معیاروں کے مطابق کی جائے اور افراد کی پرائیویسی کو متاثر کرنے والے ہر طرح کے خود سرانہ اور غیر معین اقدام سے اجتناب کیا جائے مثلا انٹرنیٹ تک افراد کی رسائی کو کنٹرول یا اس کی نگرانی یا اس سلسلے میں بعض پابندیاں حکومت کے ہاتھوں اور اس کی بنائی ہوئی معینہ پالیسیوں اور مقاصد کے دائرہ کار میں انجام پانی چاہئیں تاکہ فری فلو آف انفارمیشن اور اظہار رائے کی آزادی کا حق پامال نہ ہونے پائے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول اور پرائیویسی کا حق

بلاشبہ کسی بھی لیگل سسٹم میں یہ دعوی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ آزادی کے واضح حدود نہیں ہیں اور آزادی لامحدود ہوتی ہے۔

تمام لیگل سسٹمز میں جن امور کو آزادی کے حق کے استعمال کے سلسلے میں مشترکہ محدودیت کے طور پر جانا جاتا ہے اور جن کا انسانی حقوق کی بین الاقوامی دستاویزات میں بھی ذکر آیا ہے وہ دوسروں کی آزادی سے ٹکراؤنہ ہونے اور اجتماعی حقوق میں مخل نہ ہونے سے عبارت ہیں۔ اس کے علاوہ دینی اور اخلاقی اقدار پر مبنی لیگل سسٹمز میں آزادی کے حق سے بہرہ مند ہونے کا انحصار اس کے اعتقادی اور اخلاقی اقدار اور معیارات سے متصادم نہ ہونے پر بھی ہے۔

اسلامی معاشرے میں کسی بھی فرد کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے شخصی حق کے بہانے لوگوں کے سامنے ایسا عمل انجام دے جس کو اسلام نے گناہ اور حرام قرار دیا ہو۔ اور نہ ہی وہ کسی ایسے

عمل کے ترک کرنے کا اظہار کر سکتا ہے جس کو دین اسلام میں واجب قرار دیا گیا ہو۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے اسلامی معاشرے کے افراد کے اعتراض اور ناپسندیدگی کا سامنا کرنا پڑے گا اور مسلمان اسے اپنی زبان سے سمجھائیں گے یا عملی طور پر اس کی مخالفت کریں گے یا اسے مسلمانوں کی فزیکل مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترقی یافتہ اصول ایک جانب اسلامی معاشرے کے مسلّم حقوق میں سے شمار ہوتا ہے اور دوسری جانب اسے واجب اور فرض قرار دیا گیا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خاص شرائط کے ساتھ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

اگر معاشرے کے بعض افراد اپنی پرائیویسی کے حق کے غلط استعمال اور شخصی امور کی انجام دہی کے نام پر ایسے اعمال انجام دیں جو معاشرے کے عمومی حریم کے منافی ہوں تو ایسی صورتحال میں سب کا فرض ہے کہ وہ معاشرے کے حریم کی حفاظت اور شخصی پرائیویسی کے تقدس کی حمایت کے مقصد سے امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کے اصول پر عمل کرتے ہوئے عمومی حریم کے منافی عمل انجام دینے والے فرد کو اس کے عمل کے نادرست اور ناجائز ہونے کے بارے میں آگاہ کریں اور اسے اس عمل سے باز رکھیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول سب کی نگرانی کے ایک موثر ذریعے کے طور پر معاشرے کی اعتقادی اور اخلاقی اقدار کی بقاء اور دوام کے مقصد سے مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر اس کی مقررہ شرائط کے مطابق عمل کیا جائے تو وہ اسلامی معاشرے کی معنوی سلامتی کا ضامن ہے۔

قرآن کریم میں راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کی صفات کے بیان کرتے ہوئے ان کو معروف کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے قرار دیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

{ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ
الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ
الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الآمِرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ

الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰه وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ}

"یہ لوگ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد پروردگار کرنے والے، راہِ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے اور حدود الٰہیہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے پیغمبر آپ انہیں بشارت دیدیں"۔[۱]

مسلمانوں کی انفرادی ذمہ داری کے علاوہ اسلامی حکومت کے "محکمۂ حسبیہ" کا بھی فرض ہے کہ وہ اس اہم اصول کی ترویج کے ذریعے معاشرے میں نیکیوں کے پھیلاؤ اور برائیوں کے ارتکاب کی روک تھام کا انتظام کرے۔

البتہ اس اصول پر عملدرآمد کے طریقۂ کار پر توجہ اور اس کے لئے بیان شدہ شرائط کی پابندی افراد کے نجی امور میں بے جا

---

[۱] سورۂ توبہ آیت ۱۱۲

مداخلت اور ان کے جائز حقوق اور آزادیوں کی خلاف ورزی کے سلسلے میں اس سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کے سدراہ ہوگا۔

مفاد عامہ، کہ جس میں قومی سلامتی، عمومی حقوق کی حفاظت اور معاشرے کی اخلاقی اور معنوی سلامتی کی پاسداری شامل ہے، افراد کی پرائیویسی کو محدود کرنے کی جائز دلیل ہے لیکن اس بات کی جانب بھی توجہ رہنی چاہئے کہ اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو حربہ قرار دے کر مسلمانوں کے امور میں غیر ضروری تجسّس کو کسی بھی صورت میں جائز نہیں جانتا ہے۔ اگر مفاد عامہ کی خلاف ورزی کا یقین یا قوی گمان ہو تو صرف اسی صورت میں افراد کی پرائیویسی میں مداخلت کی جاسکتی ہے لیکن صرف شک اور گمان کی بنیاد پر دوسروں کے نجی امور میں مداخلت جائز نہیں ہے حتیٰ اگر افراد چوری چھپے حرام عمل کا ارتکاب کریں تب بھی اس حرام عمل کا پتہ لگانے اور اسے منظر عام پر لانے کے لئے ان کے نجی امور میں مداخلت اور تجسّس کرنا جائز نہیں ہے۔

پرائیویسی کے حق کے بارے میں اسلام اور یورپ کے زاویۂ ہائے نگاہ کا فرق

اسلام کے لیگل سسٹم اور یورپ کے لیگل سسٹم میں پرائیویسی کے حق کا اجمالی جائزہ لینے اور اس مسلّم انسانی حق کی ماہیت کے اعتبار سے ان دونوں کا موازنہ کرنے سے ان دونوں لیگل سسٹمز میں پائے جانے والے بنیادی فرق کا پتہ چلتا ہے۔

مذکورہ دونوں لیگل سسٹمز میں پائے جانے والے بعض فرق درج ذیل ہیں:

الف۔ پرائیویسی کے حق کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام نے ایک ہزار چار سو سال قبل سے انسانوں کے اس فطری حق کی تاکید کی جب کہ انسانی حقوق کے علمبردار ہونے کا دعوی کرنے والے یورپ میں انیسویں صدی کے اوائل میں پراگندہ طور پر قوانین کی منظوری کے ذریعے اس حق کو تسلیم کیئے جانے کا سلسلہ شروع ہوا یہاں تک کہ سنہ ۱۹۸۴ عیسوی میں پرائیویسی کے حق کو انسانی حقوق کے عالمی

منشور میں شامل کیا گیا۔ اگرچہ بعض یورپی ممالک میں انسانی حقوق کے عالمی منشور سے تقریبا دو سو سال قبل پراگندہ طور پر قوانین کو منظور کیا گیا جن میں سے سنہ ۱۷۶۵ عیسوی میں برطانوی لارڈ کیمرون کے دور میں افراد کی تحریروں کی نیلامی کے لئے اجازت حاصل کئے جانے کے لازمی ہونے سے متعلق قانون، افراد کے نجی امور کو منظر عام پر لانے کی ممانعت پر مبنی سنہ ۱۸۵۸ عیسوی کو منظور کئے جانے والے قانون، امریکہ میں سنہ ۱۹۷۴ عیسوی کو نجی زندگی کے بارے میں منظور کیے جانے والے قانون اور افراد کی نجی زندگی کی حمایت کے سلسلے میں یورپی کونسل کے ۱۹۸۱ عیسوی کے عہد نامے کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یورپ میں اس حق کے سلسلے میں ہونے والی پیشرفت میں کامن لاء سسٹم کا کردار بھی اہمیت کا حامل تھا۔

ب۔ جیساکہ اس سے پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کے بارے میں یورپی نظریئے کی بنیاد ہیومن ازم اور لبرل ازم پر استوار ہے۔ان مکاتب میں انسانوں کے معنوی پہلو پر کوئی توجہ نہیں دی

جاتی ہے اور یہ انسانی وجود کی حقیقت سے ہم آہنگ نہیں ہے جب کہ دین اسلام نے انسان کے مادی اور غیر مادی تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے انسان کے لئے عالم خلقت و کرامت میں خاص مقام کا قائل ہے۔

ان دونوں زاویۂ ہائے نگاہ کا فرق پرائیویسی کے حق کی تعریف کے علاوہ ان کے قلمرو کی تعیین میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ یورپ کے زاویۂ نگاہ میں پرائیویسی کا حق ایک ایسا کھوکھلا نعرہ نظر آتا ہے جو اس کے اصول و مبانی نیز انسان کی فطری خصوصیات پر کافی توجہ دیئے بغیر وسیع پیمانے پر لگایا گیا ہے جب کہ اسلام میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ضروریات اور اس کے وجودی تقاضوں کی بنیاد پر اس حق کی تعریف کی گئی ہے اور اس میں کھوکھلے نعرہ اور تشہیراتی پہلو نہیں پایا جاتا ہے۔

ج۔ دین اسلام میں پرائیویسی کا حق ایک فطری اور مقدس حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ یہ حق سب انسانوں کو حاصل ہے اور اس کی پامالی انسان کے فطری اور ذاتی

حق کی پامالی شمار ہوتی ہے۔ لیکن یورپ کے لیگل سسٹم میں یہ حق حکومتوں اور ممالک کے سمجھوتے اور اتفاق کا نتیجہ ہوتا ہے۔اس حق کے فطری اور مقدس سمجھے جانے اور اس کے معنوی اور اعتقادی پہلو پر توجہ دینے سے یقینا اس پر عملدرآمد کی مضبوط ضمانت ملتی ہے اور اسے خاص معنی حاصل ہوتے ہیں۔

د۔ پرائیویسی سے متعلق شریعت اسلامیہ کا معقول اور اعتدال پر مبنی زاویۂ نگاہ اس بات کا سبب بنا ہے کہ اس حق کے لئے ایک واضح اور حقائق سے ہم آہنگ قلمرو کی تعریف اور اسے بیان کیا جائے نیز اس کے حدود کے بیان میں ہر طرح کے افراط و تفریط سے گریز کیا جائے جب کہ افراد کی پرائیویسی کے قلمرو سے متعلق یورپ کے تشہراتی اور دکھاوے پر مبنی زاویۂ نگاہ اس بات کا موجب بنا ہے کہ ایسے مسائل بھی افراد کے شخصی اور ذاتی حقوق کے زمرے میں شامل ہو جائیں جن کا ذاتی اور نجی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ شخصی پرائیویسی کے حدود میں اس حد تک وسعت اور اس میں اسقاط حمل اور جنسی تعلقات کی آزادی جیسے بعض امور

کا، معاشرے کے عمومی اخلاق پر ان کے منفی اثرات پر توجہ دیئے بغیر، شامل کیا جانا عصر حاضر میں یورپ کو در پیش ایک بنیادی مشکل شمار ہوتی ہے۔

عصر حاضر میں پرائیویسی کو لاحق خطرات

عصر حاضر میں پرائیویسی کے حق کو مختلف وجوہات کی بناء پر اہم چیلنجز کا سامنا ہے اور اس مقدس حریم کی بقاء کو سخت خطرات لاحق ہیں۔ جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ موجودہ صدی میں جدید ترین ٹیکنالوجیز کی دریافت اور عصر حاضر کے انسان کی سائنس و ٹیکنالوجی تک رسائی نے اپنے تمام تر عظیم اور مثبت ثمرات کے باوجود انسانوں کی پرائیویسی کو اپنے حملوں کا نشانہ بنا رکھا ہے اور انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو برملا کر دیا ہے گویا انسان اب ایک شیشے کے گھر میں زندگی گزار رہا ہے۔ افراد کی زندگی کے نمایاں ہونے کے ساتھ ہی ان کی پرائیویسی ان سے سلب ہوچکی ہے خاص طور پر اس بات کے پیش نظر کہ ٹیکنالوجی میں ہونے والی برق رفتار پیشرفت کی وجہ سے حدود ختم ہوچکی ہیں اور افراد کی پرائیویسی کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔

۲۔ انسانی حقوق کے احترام کے ارتقاء، سیاسی آزادیوں اور لوگوں کی پرائیویسی کے بارے میں حکومتوں کا جھوٹا پروپیگنڈہ اور جمہوریت کی بالیدگی کے طور پر اسے معیار قرار دیا جانا اور اس کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں افراط سے کام لئے جانے کی بناء پر حکومتوں کے لئے پیدا ہونے والی مشکلات اور منفی نتائج، کہ جو عملی طور پر افراد کے حقوق کے محدود کئے جانے پر منتج ہوئے ہیں، مختلف ممالک خاص طور پر یورپی ممالک کے لئے ایک بہت بڑی مشکل میں تبدیل ہوچکے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے کے لوگوں کی پرائیویسی کا حق محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

۳۔ پرائیویسی کے حق کی ایک جامع اور کامل تعریف پر اتفاق نہ ہونے اور حکومتوں کی جانب سے قانون یا قومی سلامتی کے دفاع کے بہانے پرائیویسی کا دائرہ محدود کئے جانے کی وجہ سے بڑی مشکل پیدا ہوئی ہے اور اس سے افراد کے نجی امور میں بے جا مداخلت کا راستہ ہموار ہوا ہے۔

۴۔ پرائیویسی کی حفاظت میں اخلاقی معیارات کے مؤثر ہونے کے پیش نظر معاشروں خاص طور پر یورپی معاشروں میں اخلاقی اقدار کا انحطاط و زوال اس بات کا سبب بنا ہے کہ افراد کی پرائیویسی کے حق کو اخلاقی اقدار کی پشت پناہی حاصل نہ رہے جس کی وجہ سے وہ خطرے میں پڑ جائے۔ یہ امر ایک جانب ٹیکنالوجی میں ہونے والی پیشرفت اور افراد کے حریم میں داخلے کی آسانی اور دوسری جانب نئی نسل میں بد اخلاقی اور لا پروائی کی ترویج کے باعث غیر دینی اور لائیک معاشروں میں ایک بہت بڑی مشکل بن چکا ہے۔

۵۔ حکومتوں کا دہشتگردی کے ہمہ گیر مقابلے کی ضرورت جیسے بہانوں کے ساتھ اجتماعی آزادیوں مثلاً آزادی بیان، یا دوسری سیاسی اور سماجی آزادیوں کا محدود کرنا افراد کی باتوں اور مراسلات اور ان کے باہمی رابطے کے دوسرے طریقوں کی نگرانی کے ذریعے ان کی نجی زندگی میں مداخلت کا سبب بنا ہے جس سے افراد کی پرائیویسی متاثر ہوئی ہے۔ بعض حکومتیں اپنی پالیسیوں کے پیش نظر

دہشتگرد گروہوں کی حمایت کرتی ہیں یا ان کے غیر انسانی اقدامات اور سرگرمیوں کا دائرہ بڑھانے میں ان کے ساتھ تعاون کرتی ہیں۔

۶۔ یورپ میں افراد کی پرائیویسی کے حق کا پروپیگنڈہ اور اس کے دائرے میں غیر منطقی توسیع سیاسی اہداف نیز اس سلسلے میں حقیقت پسندی سے کام نہ لئے جانے کی وجہ سے عملی طور پر معاشروں میں تضاد اور مشکلات کا باعث بنی ہے۔ مثال کے طور پر عورت اور مرد کے آزادانہ جنسی تعلقات اور اسقاط حمل کی جانب، کہ جو یورپی معاشروں میں بہت سی مشکلات کا سبب ہے، اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی توسیع اگرچہ ظاہری طور پر افراد کی پرائیویسی کے حدود میں وسعت لانے کے مقصد سے کی گئی ہے لیکن اس کا نتیجہ افراد کے نجی امور میں بے جا مداخلت میں اضافے یا ان کے انسانی وقار کی توہین کے علاوہ کچھ اور برآمد نہیں ہوگا۔

۷۔ ذرائع ابلاغ، کمیونی کیشن کے ذرائع، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کے کردار میں حیرت انگیز ارتقاء، افراد کی نجی زندگی میں

ان ذرائع ابلاغ کی مداخلت کا قانونی ہونا، افراد کے بارے میں معلومات اور اطلاعات کو وسیع پیمانے پر اور تیزی کے ساتھ منتقل کرنے کے سلسلے میں ان ذرائع کا کردار اور سب سے بڑھ کر ان پر نگرانی کا فقدان اور ان ذرائع کا غیر محدود ہونا انسانی معاشروں میں ایک بہت بڑی مشکل بن چکی ہے اور جیسے جیسے ان ذرائع میں ارتقاء آتا جارہا ہے ویسے ویسے مشکل بڑھتی جارہی ہے خصوصا اس بات کے پیش نظر کہ عملی طور پر شائع شدہ اطلاعات کی نوعیت، صارفین کی درجہ بندی اور ان اطلاعات و معلومات تک افراد کی رسائی کو کنٹرول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے مواقع پر فری فلو آف انفارمیشنز کے نام پر ذرائع ابلاغ کے لئے افراد کے نجی امور میں مداخلت کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ در حقیقت انسانوں کی پرائیویسی فری فلو آف انفارمیشنز کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔

اطلاعات و معلومات بہم پہنچانے کے نام پر ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا میں افراد کے خلاف پروپیگنڈہ اور رائے عامہ کے درمیان ان کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنا، میڈیا میں شخصیات کے

بیانات کی غلط تشریح کرنا اور ان کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا یا تشہیراتی مقاصد اور کشش پیدا کرنے یا دوسروں کے مقابلے کے لئے افراد کے نام اور ان کے تشخص ناجائز فائدہ اٹھانا ان کی انفرادی اور اجتماعی شخصیت کا مقام گھٹنے اور افراد کی پرائیویسی کے حدود پر توجہ نہ دیئے جانے کا سبب بنتا ہے۔

منابع ومأخذ

۱- قرآن کریم

۲- آفات زبان حقانی زنجانی، مجلّہ درسہای از مکتب اسلام، سال ۲۴، شمارہ ۶ سنہ ۱۳۶۳ ہجری شمسی

۳- ارشاد القلوب، ابی محمد حسن دیلمی، م سید عباس طباطبائی

۴- اصول کافی، شیخ یعقوب کلینی، دارالکتاب اسلامیہ، سنہ ۱۳۹۱ ہجری قمری، تہران

۵- *Universal Declaration of Human Rights*، ۱۹۴۸ عیسوی، اقوام متحدہ

۶- Cairo Declaration on Human Rights in Islam، اسلامی تعاون تنظیم

۷- الترغیب والترہیب، ہاب الدین احمد بن علی حجر العسقلانی، ادارہ احیاء المعارف، ۱۳۸۰ ہجری قمری، بیروت

۸- بحار الانوار، علامہ مجلسی، موسسہ الوفاء —سنہ ۱۴۰۳ہجری قمری، بیروت

۹- تحریر الوسیلۃ، امام خمینی رح، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی رح

۱۰- تفسیر مجمع البیان، شیخ طبرسی، مکتبۃ العلمیۃ الاسلامیۃ، تہران

۱۱- جواهر الکلام، شیخ محمد حسن نجفی، خورشید پریس تہران

۱۲- حقوق بشر در سہ نظام حقوقی، حقوق بین الملل، حقوق اسلام و حقوق ایران، ڈاکٹر عباس خواجہ پیری، ناشر دانشگاہ آزاد اسلامی مرکز، سنہ ۱۳۸۱ہجری شمسی

۱۳- ریاض الصالحین، ابی زکریا دمشقی، دارالمامون التراث، دمشق، سنہ ۱۴۰۲ہجری قمری

۱۴- سفینۃ البحار، محدث قمی، کتابخانہ سنایی، تہران

۱۵- سنن ابن داود، شیخ احمد مصر علی، مکتبۃ مصطفیٰ البابی، سنہ ۱۳۷۱ہجری قمری، مصر

۱۶- سنن سجستانی، ابی داود سلیمان ابن اشعث سجستانی، المکتبۃ الشاملۃ، مصر
۱۷- سیرۃ ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک بن ہشام، مطبعۃ الحجازی سنہ ۱۳۵۶ ہجری قمری- قاہرہ
۱۸- صحیح مسلم، مسلم، احیاء التراث العربیۃ، سنہ ۱۳۷۵ ہجری قمری، بیروت
۱۹- غرر الحکم و درر الکلم، عبدالواحد آمدی —موسسۃ دارالکتاب، تہران ۲۰
۲۰- مکارم الاخلاق، شیخ رضی الدین طبرسی، موسسۃ الاعلمی، سنہ ۱۳۹۲ ہجری قمری، بیروت
۲۱- میزان الحکمۃ—محمد محمدی ری شہری، دارالحدیث، سنہ ۱۳۸۶، تہران
۲۲- نہج البلاغۃ- مترجم فیض الاسلام، انتشارات فیض، تہران
۲۳- وسائل الشیعۃ، محمد بن الحسن الحر العاملی، احیاء التراث العربیۃ، سنہ ۱۳۹۱ ہجری قمری- بیروت